اچھے کردار پر عظیم واقعات

Shaykh Pod BOOKS

Shaykh Pod URDU

مثبت خصوصیات کو اپنانا ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے

نوبل کردار پر عظیم واقعات

شیخ پوڈ کتب

شیخ پوڈ کتب، 2024 کے ذریعہ شائع کیا گیا۔

اگرچہ اس کتاب کی تیاری میں تمام احتیاط برتی گئی ہے، ناشر غلطیوں یا کوتاہی یا یہاں موجود معلومات کے استعمال کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات کے لیے کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتا ہے۔

اچھے کردار پر عظیم واقعات

دوسرا ایڈیشن۔ 9 مارچ 2024۔

کاپی رائٹ © 2024 شیخ پوڈ کتب۔

شیخ پوڈ کتب کے ذریعہ تحریر کردہ۔

فہرست کا خانہ

فہرست کا خانہ

اعترافات

مرتب کرنے والے کے نوٹس

ایک تعارف

نوبل کردار پر عظیم واقعات

بنی نوع انسان کا مقصد

حضرت آدم علیہ السلام

عہد

حضرت آدم علیہ السلام کا نزول

حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹے

عظیم سیلاب

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اعلان

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور عظیم آگ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور قیامت

عظیم قربانی

کعبہ

وہ مقدس حج

حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف سازش

حضرت یعقوب علیہ السلام کا صبر

ثابت قدم حضرت یوسف علیہ السلام

ایمان پر کوئی سمجھوتہ نہیں۔

اچھی بات پر مستقل

حضرت یوسف علیہ السلام نے معاف کیا۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا ماحول

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاص

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا

صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات

فرعون کے خلاف دعا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سمندر

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شکرگزاری

زندگی کو مشکل بنانا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم حاصل کرتے ہیں۔

جہاں عظمت مضمر ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا

سچی برکات

حضور یونس علیہ السلام اور وہیل

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صفات

وحی الٰہی

آسمانی سفر

ہجرت

خندق

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب

ثابت قدم خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

خلیفہ کی قربانی - عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

باغي

صحیح راہنمائی کرنے والا خلیفہ

مسلمانوں کا اثر و رسوخ

آزمائشوں سے نمٹنا

اندھی تقلید

بڑھاپا

موت

قبر

تربی

قیامت کے دن رشتہ دار

سایہ

شفاعت

ترازو

بہانے

آسمانی تالاب

پل

جہنم

جنت

اچھے کردار پر 400 سے زیادہ مفت ای بکس

دیگر شیخ پوڈ میڈیا

اعترافات

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جو تمام جہانوں کا رب ہے، جس نے ہمیں اس جلد کو مکمل کرنے کی تحریک، موقع اور طاقت بخشی۔ درود و سلام ہو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کا راستہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی نجات کے لیے چنا ہے۔

ہم شیخ پوڈ کے پورے خاندان، خاص طور پر اپنے چھوٹے ستارے یوسف کے لیے اپنی تہہ دل سے تعریف کرنا چاہیں گے، جن کی مسلسل حمایت اور مشورے نے شیخ پوڈ کتب کی ترقی کو متاثر کیا ہے۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر اپنا کرم مکمل فرمائے اور اس کتاب کے ہر حرف کو اپنی بارگاہِ عالی میں قبول فرمائے اور اسے روزِ آخرت میں ہماری طرف سے گواہی دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور بے شمار درود و سلام ہو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، آپ کی آل اور صحابہ کرام پر، اللہ ان سب سے راضی ہو۔

مرتب کرنے والے کے نوٹس

ہم نے اس جلد میں انصاف کرنے کی پوری کوشش کی ہے تاہم اگر کوئی شارٹ فال نظر آئے تو مرتب کرنے والا ذاتی طور پر ذمہ دار ہے۔

ہم ایسے مشکل کام کو مکمل کرنے کی کوشش میں غلطیوں اور کوتاہیوں کے امکان کو قبول کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم نے لاشعوری طور پر ٹھوکر کھائی ہو اور غلطیوں کا ارتکاب کیا ہو جس کے لیے ہم اپنے قارئین سے درگزر اور معافی کے لیے دعا گو ہیں اور ہماری توجہ اس طرف مبذول کرائی جائے گی۔ ہم تہہ دل سے تعمیری تجاویز کی دعوت دیتے ہیں جو ShaykhPod.Books@gmail.com پر دی جا سکتی ہیں -

ایک تعارف

مندرجہ ذیل کتاب میں تاریخ کے چند عظیم واقعات پر بحث کی گئی ہے جس میں بعض اچھی خصوصیات کو اجاگر کیا گیا ہے جن کو مسلمانوں کو اپنانا چاہیے اور بعض برے اوصاف جن سے انھیں بچنا چاہیے تاکہ وہ اعلیٰ کردار حاصل کر سکیں۔

مثبت خصوصیات کو اپنانا ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2003 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی ہے کہ قیامت کے ترازو میں سب سے وزنی چیز حسن اخلاق ہوگی۔ یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات میں سے ایک ہے جس کی تعریف اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی سورہ نمبر 68 القلم آیت نمبر 4 میں فرمائی ہے:

‘‘اور بے شک آپ بڑے اخلاق کے مالک ہیں۔’’

لہٰذا تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اعلیٰ کردار کے حصول کے لیے قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو حاصل کریں اور اس پر عمل کریں۔

نوبل کردار پر عظیم واقعات

بنی نوع انسان کا مقصد

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا خلاصہ باب 40 غافر آیت 67 میں فرمایا ہے:

" وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر جمے ہوئے لوتھڑے سے۔ پھر وہ تمہیں بچپن میں نکالتا ہے۔ پھر]وہ آپ کو ترقی دیتا ہے [کہ آپ اپنی پختگی کے وقت کو پہنچیں، پھر]مزید [کہ آپ بزرگ بن جائیں۔ اور تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اس سے پہلے ہی موت کے گھاٹ اتار دیا جائے تاکہ تم ایک مقررہ مدت تک پہنچ جاؤ۔ اور شاید آپ عقل کا استعمال کریں گے۔"

قرآن کریم نے واضح طور پر باب 51 ذریات آیت 56 میں بنی نوع انسان کے مقصد کا اعلان کیا ہے:

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔''

اس سے پہلے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، سب سے پہلے اسے پہچاننا چاہیے، کیونکہ بغیر علم کے کسی کی اطاعت ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ، لوگوں کو اس کام کو پورا کرنے سے پہلے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا سیکھنا چاہیے۔ اس لیے علم کے بعد عبادت ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مفید علم حاصل کرنے کو تمام مسلمانوں پر فرض قرار دیا ہے۔ بغیر علم کے

انسان کبھی بھی اللہ کی عبادت صحیح طریقے سے نہیں کر سکتا۔ علم کے ساتھ کی گئی چند نیکیاں جہالت کی وجہ سے غلط طریقے سے کی جانے والی بہت سی نیکیوں سے کہیں زیادہ افضل ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے بنی نوع انسان کو پیدا کیا، اس کے سوا کسی کی بندگی اور عبادت کا حق نہیں۔ اگر کوئی آجر اپنے ملازم کو اس فرض سے دستبردار ہونے کی وجہ سے آسانی سے برطرف کر دے جس کے لیے اسے رکھا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبادت کو ترک کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے جب کہ اس نے مخلوق کو پیدا کیا ہے اور اسے برقرار رکھا ہے؟ تمام بنی نوع انسان کو آزاد مرضی اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرنے کی صلاحیت عطا کی گئی ہے۔ وہ کسی کی استطاعت سے باہر کسی چیز کا حکم نہیں دیتا۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

لہٰذا ہر شخص کو یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ آیا وہ اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرنا چاہتا ہے، اس طرح دونوں جہانوں میں ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کرنا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

" جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

یا وہ اسے رد کر کے دونوں جہانوں میں مشکلات کا سامنا کر سکتے ہیں۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے "
قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ
میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو
بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

جس طرح موبائل فون جیسی ڈیوائس جو اپنا بنیادی مقصد پورا نہیں کرتی اسے ضائع کر دیا جاتا
ہے، اسی طرح لوگوں کو اس دنیا میں اور قیامت کے دن جہنم میں پھینک دیا جائے گا کیونکہ وہ
اپنے وجود کے بنیادی مقصد کو پورا نہیں کر پاتے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ عبادت سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال
کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے یہ اطاعت انسان کی زندگی
اور جسم کے ہر حصے پر محیط ہے، جیسے کہ ان کی زبان۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف ایک
شخص کا فرض شامل ہے، جیسے نماز پڑھنا، اور مخلوق کے حقوق کو پورا کرنا، جیسے کہ
دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا جیسے انسان لوگوں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والوں کو بہترین اجر ملے گا جبکہ اس کی نافرمانی کرنے والوں کو
دنیا اور آخرت میں بدترین سزا ملے گی۔ جامع ترمذی نمبر 2466 میں موجود ایک الہٰی حدیث میں
حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نقل کرتے ہیں، جو اعلان کرتا
ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی عبادت میں مشغول ہو جائے تو وہ خلوصِ اطاعت سے اس کو بھر
دے گا۔ ان کے دلوں کو دولت سے مالا مال کر اور ان کی غربت کو دور کر دے۔ لیکن اگر وہ اس
کی عبادت اور اطاعت سے منہ موڑ لیں تو اللہ تعالیٰ ان کی زندگی کو مسائل سے بھر دے گا اور
ان کی غربت کو دور نہیں کرے گا۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی بھی طرح مخلوق کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسا کہ
صحیح مسلم نمبر 6572 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ لوگ
صرف اپنے نیک اعمال سے فائدہ اٹھاتے ہیں کیونکہ اس سے ان کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ اور

وہ صرف اپنے گناہوں سے اپنے آپ کو نقصان پہنچاتے ہیں، کیونکہ وہ ان کے لیے جوابدہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی لامحدود حیثیت بالکل تبدیل نہیں ہوتی، خواہ ساری مخلوق اس کی عبادت کرتی ہو یا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ، واحد خالق اور واحد رازق ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مکمل طور پر اور مکمل طور پر اس کے محتاج ہیں۔ جو شخص اس بات کو سمجھے گا اور سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا وہ اپنی تخلیق کا مقصد پورا کرے گا اور اس لیے اسے دونوں جہانوں میں ذہنی اور جسمانی سکون ملے گا۔

حضرت آدم علیہ السلام

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ ہے جب فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ باب 2 البقرہ، آیت 34:

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

اس عظیم واقعہ سے بہت سے سبق سیکھے جا سکتے ہیں۔ سب سے پہلے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ سجدے کی دو قسمیں ہیں۔ فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ یہ اب حلال نہیں رہا اور اسلام میں اسے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 1853 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ دوسری قسم کا سجدہ عبادت کے لیے ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

اس کے علاوہ عبادت پر علم کی برتری اس واقعہ سے واضح طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ جب یہ واقعہ پیش آیا تو حضرت آدم علیہ السلام نئے سرے سے پیدا ہوئے۔ اس کے پاس عبادت کے لیے زیادہ وقت نہیں تھا، جب کہ فرشتے اور شیطان ان گنت صدیوں سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے تھے۔ قرآن کریم واضح طور پر اعلان کرتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر فضیلت دینے کی وجہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا تھا۔ باب 2 البقرہ، آیات 31-32:

اور اس نے آدم کو نام سکھائے - ان سب کے۔ پھر ان کو فرشتوں کو دکھایا اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔ انہوں نے کہا کہ تو پاک ہے، ہمیں اس کے سوا کوئی علم نہیں جو تو نے ہمیں سکھایا ہے، بے شک تو ہی جاننے والا، حکمت والا ہے۔ "

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم عبادت سے افضل ہے۔ یہ بالکل واضح ہے، کیونکہ صحیح عبادت اور دیگر نیک اعمال بغیر علم کے صحیح طریقے سے انجام نہیں پا سکتے۔ اس لیے مفید علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ حقیقی فائدہ مند علم وہ علم ہے جس پر صحیح اور عمل کیا جائے۔ اسلام میں بذات خود علم کی کوئی قدر نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ شیطان فرشتہ نہیں ہے لیکن جب وہ ان کے درمیان رہتا تھا تو سجدہ کرنے کا حکم بھی اس میں شامل تھا۔ باب 18، آیت 50۔

...سوائے ابلیس کے۔ وہ جنوں میں سے تھا ..."

اس عظیم واقعہ میں سب سے پہلے گناہ کا ارتکاب کیا گیا یعنی حسد۔ شیطان کو اس بات پر رشک آیا کہ نوزائیدہ حضرت آدم علیہ السلام کو جو مٹی سے بنایا گیا تھا، ان پر فضیلت دی گئی، حالانکہ وہ آگ سے بنائے گئے تھے اور ان گنت سال عبادت کی تھی۔

شیطان کو غلطی ہوئی جب اس نے کہا کہ آگ مٹی سے افضل ہے۔ آگ بھڑک اٹھتی ہے جو بلندی کی علامت ہے لیکن عظمت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ دوسری طرف، مٹی عاجزی کی علامت ہے جو اللہ تعالیٰ کے سچے بندوں کی خصوصیت ہے۔

تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ حسد سے ہر حال میں بچیں کیونکہ یہ انسان کے نیک اعمال کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو تباہ کر دیتی ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر

میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کیونکہ شیطان کی کئی 4210 صدیوں کی عبادات اور اعمال صالحہ اس حسد کی وجہ سے تباہ ہو گئے تھے، جس کے نتیجے میں وہ غرور و تکبر کا باعث بنا۔ حسد اس قدر سنگین اور کبیرہ گناہ کی وجہ یہ ہے کہ حسد کرنے والے کا مسئلہ کسی دوسرے کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، کیونکہ اس نے وہ نعمت عطا کی ہے جس نے حسد کیا ہے۔ پس انسان کا حسد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی نعمتوں کی تقسیم سے ناراضگی کا اظہار کرتا ہے۔ وہ ایسا سلوک کرتے ہیں جیسے وہ اللہ تعالیٰ سے بہتر جانتے ہیں۔

حسد دوسری بری خصلت کا باعث بنا :فخر۔ جیسا کہ شیطان نے ان گنت سالوں کی عبادت کی ہے اس کا خیال تھا کہ اس نے اسے خاص بنا دیا ہے۔ وہ اس حقیقت سے غافل رہے کہ اس کی ہر عبادت اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ممکن ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے، جو علم، الہام، طاقت، موقع اور نیک عمل کرنے کی خواہش فراہم کرتا ہے۔ اس لیے اچھے کام پر فخر کرنا محض حماقت ہے۔ اس مہلک خصلت سے بچنا چاہیے کیونکہ جس کے پاس ذرہ برابر بھی ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ اسے یقین تھا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام سے افضل ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو رد نہیں کیا۔ اس کے بجائے اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو جھٹلایا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے بجائے اپنی ذاتی سوچ کا استعمال کیا۔ جس کی وجہ سے وہ گنہگار اور کافر ہو گیا۔ یہ تمام بنی نوع انسان کے لیے ایک واضح پیغام ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سچا بندہ عقیدہ کے معاملے میں اپنی سوچ کا اطلاق نہیں کرتا۔ بندے کا فرض صرف یہ ہے کہ وہ اپنے آقا کے احکامات کو بجا لائے، چاہے وہ حکموں کے پیچھے حکمت کیوں نہ رکھتا ہو۔ یہ ہے سچی بندگی۔ جو لوگ مالک کے حکم پر سوال کرتے ہیں وہ صرف اس طرح کرتے ہیں کہ وہ خود کو مالک سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مالک نہیں۔ ایک مسلمان کو اسلام کے احکام کے پیچھے حکمت پر سوال نہیں اٹھانا چاہیے کیونکہ یہ شیطان کا راستہ ہے۔ اس کے بجائے، انہیں عاجزی کے ساتھ ان کے سامنے سرتسلیم خم کرنا چاہئے اور پیارے اور بابرکت فرشتوں کے راستے پر چلنا چاہئے۔ باب 66 تحریم، آیت 6:

جس پر سخت اور سخت فرشتے مقرر ہیں۔ وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

مسلمان جانتے ہیں کہ اس عظیم واقعہ کی وجہ سے شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو فتنہ میں ڈالا، جس کی وجہ سے وہ زمین پر نزول کا سبب بنے تاکہ وہ زمین پر اللہ کے خلیفہ کی تخلیق کے اپنے مقصد کو پورا کرسکے۔ باب 2 البقرہ، آیت 30:

‘‘...یقیناً میں زمین پر یکے بعد دیگرے حکومت بناؤں گا’’

حضرت آدم علیہ السلام نے عاجزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی بے پایاں رحمت سے ناامید ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہوئے ان کی کوتاہیوں کو معاف کر دیا۔ شیطان گمراہی میں حیران رہ گیا کیونکہ اس نے اپنے گناہ کا اعتراف نہیں کیا اور نہ ہی معافی مانگی، کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید کر دی تھی۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کی صفات پر عمل کریں کیونکہ وہ گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ انسان کو کبھی امید نہیں چھوڑنی چاہیے، سچے دل سے توبہ کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہر وقت کوشش کرنی چاہیے۔ باب 41 فصیلات، آیت 6:

‘‘...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو’’

لیکن یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ میں امید اور خواہش مند سوچ کے درمیان فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔ امید ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منسلک ہوتی ہے جس میں سچی توبہ شامل ہوتی ہے۔ سچی توبہ میں پچھتاوا محسوس کرنا، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جن لوگوں پر ظلم ہوا ہے، جب تک کہ اس سے مزید مسائل پیدا نہ ہوں، دوبارہ وہی یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہ کرنے کا وعدہ کرنا اور کسی ایسے حقوق کی تلافی کرنا شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے

احترام میں خلاف ورزی کی گئی ہے۔ جبکہ خواہش مندانہ سوچ میں اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانی کرنا اور پھر اس سے ان پر رحم اور بخشش کی توقع رکھنا شامل ہے۔ اسلام میں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس تعریف کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ سے سچی امید رکھتے ہوئے اپنے اسلاف کے نقش قدم پر صحیح طور پر چلنا چاہیے، جس میں اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرنا شامل ہے۔ اس نے ان کو جو نعمتیں عطا کی ہیں ان کو اس کی خوشنودی کے طریقوں سے استعمال کرنا، جیسا کہ قرآن کریم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے، اور جب بھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ اس دنیا میں ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کریں گے اور آخرت میں اپنے آباؤ اجداد کے ساتھ متحد ہوں گے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

" جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

اور باب 13 الرعد، آیات 20-23:

" جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور عہد شکنی نہیں کرتے، اور جو اللہ نے جس چیز کو جوڑنے کا حکم دیا ہے اس کو جوڑتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور [اپنے حساب کی] برائی سے ڈرتے ہیں، اور جو صبر کرنے والے، تلاش کرنے والے ہیں۔ ان کے رب کی طرف رجوع کریں اور نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے چھپ کر اور ظاہری طور پر خرچ کریں اور برائیوں کو بھلائی سے روکیں، ان کے لیے ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں۔ ان میں ان کے ساتھ داخل ہوں گے جو ان کے آباء و اجداد میں سے نیک تھے..."

عہد

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ واقعہ ہے جو انسانوں کو زمین پر بھیجے جانے سے پہلے پیش آیا تھا اور اس کا تذکرہ باب 7 الاعراف، آیات 172-173 میں آیا ہے:

’’اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے رب نے بنی آدم سے ان کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کو اپنے اوپر گواہ کر کے کہا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں ہم نے گواہی دی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم قیامت کے دن یہ کہو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔ یا)ایسا نہ ہو کہ (تم یہ کہو کہ اس سے پہلے ہمارے باپ دادا نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد کی اولاد تھے، پھر کیا تو ہمیں باطل پرستوں کے کیے پر ہلاک کر دے گا؟

تمام انسانوں کو اس لیے پیدا کیا گیا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر سکیں۔ اس واقعہ کے پیچھے سمجھنے کا سبق یہ ہے کہ تمام لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان لیا۔ یعنی جس نے ان کو پیدا کیا، وہی ان کو پالے گا اور وہی جو قیامت کے دن ان کے اعمال کا فیصلہ کرے گا۔ تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ اس عہد کو پورا کریں۔ تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کریں۔ باب 16 النحل، آیت 97:

" جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

مرکزی آیت اشارہ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے یہ نہیں پوچھا کہ کیا وہ اس کے بندے ہیں، بلکہ اس نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ ان کا رب ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہمیشہ انسان کی مرضی اور خواہش کے سامنے آنی چاہیے۔ اگر کسی مسلمان کے پاس اللہ تعالیٰ یا کسی اور کو راضی کرنے کا انتخاب ہے تو یہ عہد انہیں یاد دلائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے پہلے ہونی چاہیے۔

یہ سوال بھی اللہ تعالیٰ کی لامحدود رحمت کی طرف اشارہ ہے، جیسا کہ اس نے مخلوق کے لیے اس کا جواب لفظی طور پر بیان کیا۔ اس سے مسلمانوں کو ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی رب ہے جو ان کے اعمال کا فیصلہ کرے گا، وہ بے انتہا مہربان بھی ہے۔

اس عہد کا اثر تمام بنی نوع انسان کے دلوں میں گہرا ہے۔ درحقیقت یہی وہ نوعیت ہے جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6755 میں موجود حدیث میں وارد ہوا ہے، اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے سے ذہن سازی کرنے کے بعد حق کی تلاش نہ کریں اور پھر ثبوت تلاش کریں۔ جو ان کے پہلے سے طے شدہ عقیدے کی تائید کرتا ہے۔ صرف وہی لوگ جو پہلے سے طے شدہ فیصلہ کیے بغیر اپنے دماغ کو کھولتے ہیں وہ اس عہد کو کھولیں گے جو ان کے دلوں کی گہرائیوں میں سرایت کر گیا ہے۔ درحقیقت، کھلے ذہن کا ہونا تمام مسائل میں ضروری ہے، نہ کہ صرف ایمان کے معاملات میں، کیونکہ یہ سچائی اور بہترین راستہ تلاش کرنے میں مدد کرتا ہے۔ یہ رویہ معاشرے کو مضبوط کرتا ہے اور ہمیشہ لوگوں کے درمیان امن کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ لیکن ان لوگوں کی ضد جو اپنے انتخاب کا پہلے سے تعین کرتے ہیں ہمیشہ معاشرے کے ارکان کے درمیان پچر پیدا کرے گا، جو قومی سطح پر لوگوں کو متاثر کر سکتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ یہ نہ مانیں کہ وہ دنیاوی معاملات میں درست ہیں ورنہ وہ یہ ضدی رویہ اپنائیں گے۔ یہ انہیں دوسروں کی رائے کو قبول کرنے سے روکے گا، جس سے جھگڑے، دشمنی اور رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ اس لیے اس رویہ سے ہر صورت گریز کرنا چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ عہد ایک شخص کے دل کی گہرائیوں میں سرایت کرتا ہے اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس کا پردہ فاش کرنا مسلمانوں کا فرض ہے۔ یہ ایمان کے یقین کی طرف لے جائے گا جو کہ سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر ایمان سے کہیں زیادہ مضبوط ہے، جس کے بارے میں کسی کے گھر والوں کی طرف سے بتایا گیا ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔ یقین کا یقین ایک مسلمان

کو اپنے دینی اور دنیاوی فرائض کی ادائیگی کے ساتھ اس دنیا میں تمام مشکلات پر کامیابی سے قابو پانے کی اجازت دیتا ہے۔ ایک شخص صرف اپنے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے امتحان اور اپنے فرائض میں ناکام ہوتا ہے۔ ایمان کا یقین صرف قرآن کریم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے اندر موجود علم کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

”ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ یہ حق ہے“۔

مرکزی آیت کا آخری حصہ بنی نوع انسان کو خبردار کرتا ہے کہ وہ دوسروں کی اندھی تقلید نہ کریں۔ لوگوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ جو ذہانت دی گئی ہے اسے استعمال کریں اور مویشیوں کی طرح برتاؤ کرنے سے گریز کریں۔ اندھی تقلید کرنا تو دنیا کی عدالت میں ناقابل قبول عذر ہے پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کیسے قبول ہو سکتا ہے؟ اندھی تقلید ایک ایسی چیز ہے جس پر اسلام میں تنقید کی گئی ہے، جیسا کہ ایک مسلمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی عقل اور ذہانت کو بروئے کار لاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کی سچائی اور اہمیت کو پہچانے۔ باب 12 یوسف، آیت 108:

"کہو، "یہ میرا راستہ ہے۔ میں بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں اور میری پیروی کرنے والے..."

اس لیے اسلامی علم کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے تاکہ اس کے واضح دلائل کو سراہا جائے تاکہ وہ یقین کے ساتھ اس پر عمل کر سکیں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ تمام حالات میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر مضبوطی سے قائم رہیں، جیسے کہ مشکل میں صبر اور آسانی کے وقت شکر گزاری، دونوں میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ کی رضا کے لیے عطا کی گئی ہیں۔ برگزیدہ جیسا کہ قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات۔

حضرت آدم علیہ السلام کا نزول

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی اس کا ذکر باب 2 البقرہ آیت 38 میں ہے:

’’ہم نے کہا تم سب اس سے اتر جاؤ، اور جب تم کو میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔‘‘

اس میں مذکور ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو شیطان کے فریب میں ڈالنے کے بعد جنت سے زمین پر بھیجا گیا تھا۔ زندگی میں، ایک مسلمان کو ہمیشہ یا تو آسانی کے وقت یا مشکل کے وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کوئی بھی شخص کچھ مشکلات کا سامنا کیے بغیر آسانی کے اوقات کا تجربہ نہیں کرتا ہے۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ اگرچہ مشکلات سے نبردآزما ہونا مشکل ہے لیکن درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت اور بندگی کو حاصل کرنے اور اس کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں لوگ زندگی کے اہم اسباق سیکھتے ہیں جب انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر جب وہ آسانی کے وقت کا سامنا کرتے ہیں۔ اور لوگ اکثر آسانی کے اوقات کے مقابلے مشکل کے وقت کا سامنا کرنے کے بعد بہتر کے لیے بدل جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے صرف اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت اگر کوئی قرآن پاک کا مطالعہ کرے تو وہ سمجھے گا کہ زیر بحث واقعات کی اکثریت مشکلات پر مشتمل ہے۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حقیقی عظمت ہمیشہ آسانی کے اوقات کا تجربہ کرنے میں مضمر نہیں ہے۔ درحقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا، اس کے احکام کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا ہے۔ یہ بات زیر بحث مرکزی آیت اور اس حقیقت سے ثابت ہے کہ اسلامی تعلیمات میں زیر بحث ہر بڑی مشکل کا خاتمہ ان لوگوں کے لیے حتمی کامیابی پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس لیے ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنے کی فکر نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ یہ صرف ان کے لیے چمکنے کے لمحات ہیں اور سچی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں حتمی کامیابی کی کلید ہے۔

مرکزی آیت یہ بھی واضح کرتی ہے کہ صرف اسلام پر ایمان لانا کافی نہیں ہے، کیونکہ کامیابی کا وعدہ صرف ان لوگوں سے کیا جاتا ہے جو عملی طور پر اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر چلتے ہیں۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو خوش کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

آخر میں یہ آیت اس بات کی بھی تصدیق کرتی ہے کہ مسلمانوں کو اس دنیا میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت پر ثابت قدم رہیں گے تو وہ ان سے مغلوب نہیں ہوں گے۔ یعنی انہیں ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑے گا جو انہیں خوفزدہ کریں گے لیکن ان کا خوف ان پر قابو نہیں پائے گا۔ انہیں تناؤ اور اداسی کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن یہ انہیں غم کی طرف نہیں دھکیلے گا۔ لہذا وہ دماغ اور جسم کی متوازن حالت حاصل کریں گے، جو دماغ اور جسم کی سکون حاصل کرنے کے لیے ایک اہم جزو ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹے

اگلا عظیم واقعہ جس پر مختصراً بحث کی جائے گی وہ ہے حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ کہ کس طرح حسد کی وجہ سے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا۔ یہ واقعہ باب 5 المائدہ، آیات 27-31 میں زیر بحث ہے:

’’ اور ان کو آدم کے دو بیٹوں کا قصہ سچی سناؤ، جب دونوں نے)اللہ کے لیے (نذرانہ پیش کیا تو ان میں سے ایک نے قبول کیا لیکن دوسرے سے قبول نہ ہوا۔]بعد میں [کہا، "میں تمہیں ضرور مار ڈالوں گا۔) "پہلے (نے کہا، "بے شک، اللہ صرف نیک لوگوں سے ہی قبول کرتا ہے]جو اس سے ڈرتے ہیں[، اگر تم مجھے قتل کرنے کے لیے میری طرف ہاتھ اٹھاؤ تو میں تمہیں قتل کرنے کے لیے تمھاری طرف ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا، بیشک میں اللہ سے ڈرتا ہوں "اے جہانوں کے رب، میں چاہتا ہوں کہ تم میرے گناہ اور گناہوں کو حاصل کرلو تاکہ تم دوزخ والوں میں سے ہو جاؤ اور یہ ظالموں کا بدلہ ہے۔ اور اس کے نفس نے اسے اپنے بھائی کے قتل کی اجازت دی تو اس نے اسے قتل کر دیا اور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کو زمین میں تلاش کرنے کے لیے بھیجا تاکہ اسے دکھائے کہ اپنے بھائی کی بے عزتی کیسے چھپا سکتا ہے۔ اس نے کہا ہائے ہائے کیا میں اس کوے جیسا ہو کر اپنے بھائی کی رسوائی کو چھپانے میں ناکام رہا؟ اور وہ پشیمانوں میں سے ہو گیا۔"

یہ ایک بہت مشہور قصہ ہے جس کی تفصیلات بہت مشہور ہیں اس لیے تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس عظیم واقعہ سے بہت سے سبق سیکھے جا سکتے ہیں جن میں سے ایک خطرہ حسد ہے۔ مسلمانوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ حسد ایک عجیب گناہ ہے کیونکہ حسد کرنے والے پر اس وقت تک اثر نہیں ہوتا جب تک کہ حسد کرنے والے کو ان کے خلاف کارروائی کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ حسد کرنے والا تنہا تکلیف اٹھاتا ہے جبکہ حسد کرنے والا کسی پریشانی سے بے خبر رہتے ہوئے اپنی زندگی گزارتا ہے۔ حسد کرنے والے کو دونوں جہانوں میں تکلیف ہوتی ہے جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے اور اس سے وہ چیز حاصل کرنے میں مدد نہیں دیتی جس کی وہ خواہش کرتے ہیں اور حلال طریقے سے۔ حسد ایک بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے مختص انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ اس جاہلانہ رویہ سے بچنا چاہیے اور اس کے بجائے یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو وہی عطا کرتا ہے جو اس کے لیے بہتر ہے۔ باب 42 اشوری، آیت 27:

اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے رزق میں فراخی کر دیتا تو وہ زمین پر ظلم کر دیتے، لیکن وہ " "جتنا چاہتا ہے نازل کرتا ہے، بیشک وہ اپنے بندوں سے باخبر اور دیکھنے والا ہے۔

لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ دوسروں کو دیکھنے میں اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو استعمال کرنے پر توجہ دیں۔ یہ رویہ ذہنی اور جسمانی سکون کا باعث بنے گا، خواہ وہ اپنی خواہش کی تمام چیزیں حاصل نہ کر لیں۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ " "زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

اس واقعہ سے دوسری بات سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے بھائی کی قربانی قبول ہوئی جبکہ غیرت مند بھائی کی قربانی قبول نہیں ہوئی۔ اس سے نیت کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ جب کوئی نیک عمل کرے تو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرنا چاہیے نہ کہ مادی دنیا کے لالچ میں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ جو اعمال صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیے جاتے ہیں وہ قبول ہوتے ہیں۔ باقی تمام نیک اعمال قیامت کے دن خاک میں مل جائیں گے۔

اس کے علاوہ، یہ واقعہ اداکاری سے پہلے سوچنے کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے فرزند کی طرح ان گنت لوگوں کو بڑی پشیمانی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ انہوں نے پہلے عمل کیا اور بعد میں سوچا۔ جبکہ عقلمند ہمیشہ پہلے غور کرتا ہے اور اگر عمل فائدہ مند ہو تو عمل کرتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے مقتول بیٹے نے سب سے پہلے غور کیا اور اس عکاسی نے اسے یہ سمجھنے کی اجازت دی کہ اگر وہ اپنے بھائی سے لڑتا تو گناہ اور آخرکار جہنم کا باعث بن سکتا تھا۔ اداکاری کرنے سے پہلے سوچنا ایک وسیع پیمانے پر قبول شدہ خصوصیت ہے، لیکن بہت سے لوگ ایسا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ کچھ لوگ بغیر سوچے سمجھے ایسے الفاظ بولتے ہیں جو اس دنیا کے مشرق اور مغرب کے درمیان کے فاصلے سے

بھی زیادہ جہنم میں جا گریں گے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 7481 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ لاتعداد لوگوں نے بغیر سوچے سمجھے عمل کر کے رشتے توڑ ڈالے۔ معاشرے میں زیادہ تر جرائم اسی وجہ سے ہوتے ہیں۔ یہ صحیح معنوں میں سمجھنا ضروری ہے کہ اقدامات کو واپس نہیں لیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اداکاری کرنے سے پہلے ہمیشہ غور و فکر کرنا ضروری ہے۔ ورنہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے کی طرح دونوں جہانوں میں بڑی پشیمانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

عظیم سیلاب

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ عظیم سیلاب ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں آیا تھا۔ اس کا تذکرہ قرآن پاک میں متعدد بار آیا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے تقریباً 950 سال اپنی قوم میں ایمان کی تبلیغ کے لیے وقف کیے تھے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 14:

’’اور یقیناً ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ ان کے درمیان ایک ہزار سال کم پچاس سال رہے اور انہیں سیلاب نے آپکڑا جب کہ وہ ظالم تھے۔‘‘

اتنی کوشش کے بعد صرف چند لوگوں نے ہی ایمان قبول کیا۔ باب 11 ہود، آیت 40:

’’یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آیا اور تنور بھر گیا تو ہم نے کہا کہ اس پر ہر ایک (جاندار) کے دو جوڑے اور اپنے اہل و عیال کو لاد دو، سوائے ان کے جن کے بارے میں یہ لفظ آیا ہے۔ فرمان پہلے ہو چکا ہے، اور جو بھی ایمان لایا ہے اس میں [شامل ہے]۔ "لیکن ان (نوح علیہ السلام) کے ساتھ چند لوگوں کے علاوہ کوئی ایمان نہیں لایا تھا۔

اس سے سبق حاصل ہوتا ہے کہ نیکی کی نصیحت کرنا اور برائی سے منع کرنا ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیے، خواہ لوگ نصیحت قبول نہ کریں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی طرح ثابت قدم رہنا چاہیے اور چند بار کوشش کرنے کے بعد ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ مسلمان کا فرض ہے کہ وہ خود بھی نیکی کرے اور دوسروں کو بھی اس کی نصیحت کرے اور کیا یہ نصیحت قبول ہوتی ہے یا نہیں جو اس کے بس سے باہر ہے۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1 کی ایک حدیث میں نصیحت ہے کہ تمام اعمال کا فیصلہ اس کی نیت پر ہوتا ہے۔ تو اس سلسلے میں، نتیجہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا، مطلب یہ ہے کہ لوگ کسی شخص کے مشورے کو قبول کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں یا نہیں۔ اس کے بجائے، یہ ان کی نیت ہے جو ثواب

ہے .پس جو شخص اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے نیک نیت رکھتا ہو، اسے بہت زیادہ اجر ملے گا، خواہ کوئی ان کی نصیحت قبول نہ کرے۔ دوسری طرف، ایک مسلمان کو کوئی اجر نہیں ملے گا اور اسے سزا کا سامنا بھی کرنا پڑ سکتا ہے، خواہ لاکھوں لوگ ان کی نصیحت کو مانیں اور اس پر عمل کریں، اگر ان کی نیت خراب ہو، جیسے دکھاوا کرنا. جب تک کوئی شخص اپنی قوت کے مطابق عمل سے اپنی نیت کو ثابت کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اجر عظیم کی امید رکھنی چاہیے۔

اس کے علاوہ، جب کوئی نیک کام کرتا ہے تو اسے پریشان نہیں ہونا چاہئے کہ لوگ ان کی نصیحت قبول کریں یا ان کی کوششوں کی تعریف کریں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ وہ اپنے بندوں کی کوششوں کی قدر کرتا ہے۔ باب 35 فاطر، آیت 30:

‘‘بے شک وہ بخشنے والا اور قدر کرنے والا ہے۔’’

پس اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کی تعریف حاصل ہو جائے تو اسے کسی اور چیز کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔

اس عظیم واقعہ کا دوسرا پہلو باب 11 ہود، آیات 45-46 میں مذکور ہے:

"اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا کہ اے میرے رب، میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے، اور تیرا وعدہ سچا ہے، اور تو سب سے زیادہ انصاف کرنے والا ہے۔ "اس نے کہا اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے، وہ تو وہ ہے جس کا کام نیکی کے علاوہ تھا، پس مجھ سے وہ چیز نہ پوچھ جس کا تجھے علم نہیں، میں تجھے نصیحت کرتا ہوں، ایسا نہ ہو جاہلوں میں سے ہو جاؤ۔"

یہ آیات اس وقت بحث کرتی ہیں جب حضرت نوح علیہ السلام کا کافر بیٹا سیلاب عظیم میں ڈوب گیا۔ اگرچہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کے حیاتیاتی فرزند تھے، پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا کہ وہ آپ کے خاندان یعنی ایمان کے خاندان کا رکن نہیں ہیں۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ آخرت میں کامیابی کے لیے کسی کو فخر نہیں کرنا چاہیے اور اپنے خاندانی رشتوں پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ ہر شخص کو اس کی اپنی نیت، کوشش اور عمل کے مطابق پرکھا جائے گا۔ ایک شخص نیک اعمال کے ذریعے دوسروں کو فائدہ پہنچا سکتا ہے، جیسے کہ ان کی طرف سے صدقہ کرنا، جس کی نصیحت صحیح بخاری نمبر 2770 میں موجود حدیث میں آئی ہے، لیکن کوئی شخص عمل صالح اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ نہیں موڑ سکتا۔ اور پھر ان کے رشتہ داروں کے اعمال اور حیثیت کی توقع رکھیں کہ وہ انہیں بچائیں گے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 225 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اس طرح عمل کرنے والے کا انجام وہی ہوسکتا ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے تھے۔

آخر میں، یہ عظیم واقعہ مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت پر ثابت قدم رہیں گے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن کریم اور روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام مشکلات سے نکلنے کا راستہ عطا کیا جائے گا، خواہ اس وقت یہ ناممکن نظر آئے، جس طرح حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں نے نجات پائی۔ باب 65 طلاق میں، آیات 2-3:

" اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا، اور اسے ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو، اور جو اللہ پر بھروسہ کرے گا تو وہ اس کے لیے کافی ہے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اعلان

:اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ باب 6 الانعام، آیات 78-79 میں ہے

اور جب سورج کو طلوع ہوتے دیکھا تو کہا، "یہ میرا آقا ہے، یہ اس سے بڑا ہے۔ "لیکن جب وہ " ڈوب گیا تو اس نے کہا اے میری قوم میں اس سے بری ہوں جس کو تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو، میں نے اپنا رخ اس کی طرف پھیر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، "حق کی طرف مائل ہو گیا اور میں اللہ کے ساتھ شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے جھوٹے معبودوں کو جھٹلایا اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی مکمل اطاعت کا اعلان کیا۔ اس نے خاص طور پر ان کے جھوٹے معبودوں کو ان کی عارضی فطرت کی نشاندہی کرتے ہوئے مسترد کر دیا، جیسے سورج کا غروب ہونا جس کی وہ پوجا کرتے تھے، جس نے براہ راست ان کے لیے ان کی غلط عقیدت کو چیلنج کیا۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس مادی دنیا کے اضافی اور غیر ضروری عناصر یا دوسروں کے لیے اپنی عقیدت اور لگن کو اسلام کی مقرر کردہ حدود سے باہر کرتے ہوئے ان کے نقش قدم پر نہ چلیں۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن چیزوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہ مٹ جاتی ہیں اور فطرت میں عارضی ہیں، اسی طرح یہ مادی دنیا بھی ہے۔ باب 18 :الکہف، آیت 8

‘‘اور جو کچھ اس پر ہے ہم اسے بنجر زمین بنا دیں گے۔’’

لہٰذا غیر ضروری طور پر اپنی کوششوں کو دھندلی مادی دنیا کے لیے وقف کرنا بے معنی ہے اور اسے اپنی اصل توجہ، اپنی کائنات کا مرکز اور ان کے وجود کا مقصد بنانا محض بے وقوفی ہے کیونکہ یہ ان کی کوششوں کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گی۔ ورنہ وہ صرف خاک، پشیمانی اور اپنے اعمال کے نتائج کے ساتھ رہ جائیں گے۔ یہ حقیقت اس وقت بالکل عیاں ہوتی ہے جب کوئی شخص اپنی زندگی اور ان لمحات، چیزوں اور لوگوں پر غور کرتا ہے جو ابھی تک عظیم اور پائیدار معلوم ہوتے تھے، وہ سب ایسے مٹ گئے جیسے پہلے کبھی موجود ہی نہ تھے۔

انسان کو چاہیے کہ اس مادی دنیا میں کوشش کرتے ہوئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور صالحین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو بغیر فضول خرچی اور اسراف کے پورا کرے۔ انہیں ان نعمتوں کا استعمال کرنا چاہئے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے، تاکہ انہیں جسم و دماغ کا سکون حاصل ہو۔ دونوں جہانوں .باب :النحل، آیت 97 16

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ " " "زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ جب مادی دنیا ختم ہو جائے گی تو ان کے پاس برکتیں اور نیک اعمال باقی رہ جائیں گے جو ان کی ضرورت کے سب سے بڑے لمحے میں ان کی مدد کریں گے۔

اس طرح کوئی اپنا منہ اس کی طرف پھیرتا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور عظیم آگ

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قتل کرنے کے لیے ایک عظیم آگ پیدا کی گئی۔ یہ ایک بہت مشہور واقعہ ہے اور مسلمانوں میں بہت مشہور ہے، اس لیے اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن خلاصہ یہ کہ کافروں نے ایک بہت بڑی آگ بھڑکا دی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں گرل سے پھینک دیا۔ باب 21 الانبیاء، آیت 68:

انہوں نے کہا، "اسے جلا دو اور اپنے معبودوں کی حمایت کرو، اگر تم عمل کرنا چاہتے ہو"۔"

اس عظیم واقعہ سے بہت سے سبق سیکھے جا سکتے ہیں۔ جن میں سب سے پہلا یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ثابت قدم رویہ اختیار کیا جائے۔ اگرچہ بڑی طاقت ان کے خلاف تھی پھر بھی وہ حق کی راہ سے نہیں ہٹے اور ذرا بھی سمجھوتہ کیے بغیر ثابت قدم رہے۔ مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ سماجی دباؤ میں نہ آئیں اور اپنے عقیدے پر سمجھوتہ نہ کریں۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ کچھ عارضی دنیاوی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں لیکن یہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے تناؤ کا باعث بن جائے گا اور یہ آخرکار ختم ہو جائے گا اور انہیں خالی ہاتھ چھوڑ دیا جائے گا۔ کسی کو صرف ان لاتعداد مشہور شخصیات کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے دنیاوی کامیابی حاصل کرنے کے لیے اپنی اقدار پر سمجھوتہ کیا اور کس طرح اسی کامیابی نے انہیں ڈپریشن، منشیات کی زیادتی اور بعض صورتوں میں خودکشی تک پہنچایا۔ دوسری طرف وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت پر ثابت قدم رہے، جس میں نعمتوں کا استعمال شامل ہے، ان کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے عطا کیا گیا ہے، جیسا کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دماغ اور جسم کا سکون عطا کیا گیا، خواہ انہیں کوئی ظاہری دنیاوی کامیابی حاصل نہ ہوئی ہو، جیسے کہ دولت۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ " زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔" "

چونکہ ان کی روحانی کامیابی میں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں شامل تھیں، اس لیے اس نے ان کے سفر آخرت کی تیاری میں مدد کی۔ باب 41 فصیلات، آیت 30:

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر وہ سیدھے راستے پر رہے تو ان پر ’’ فرشتے نازل ہوں گے اور کہیں گے کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو بلکہ جنت کی خوشخبری سنو۔ وعدہ کیا تھا۔"

واضح رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس عظیم واقعہ میں صبر و تحمل سے کام لیا۔ درحقیقت وہ صبر سے آگے نکل کر قناعت کے درجے پر پہنچ گیا۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ صبر کرنے والا کسی صورت حال سے شکایت نہیں کرتا بلکہ حالت بدلنے کی خواہش اور دعا بھی کرتا ہے۔ جبکہ قناعت کرنے والا اپنی پسند پر اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو ترجیح دیتا ہے اور اس لیے حالات کو بدلنے کی خواہش نہیں رکھتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام آسانی سے اللہ تعالیٰ سے ان کی نجات کی دعا کر سکتے تھے۔ لیکن وہ ممکنہ طور پر اللہ تعالیٰ کی مرضی سے متصادم ہونے کی خواہش نہیں رکھتا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے شہید کرنا چاہا تھا۔ اگرچہ ایک دعا ابھی تک جائز ہوتی لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی مکمل بندگی چاہتا تھا اور اس لیے اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر بھروسہ کرتے ہوئے خاموش رہا۔ سیکھنے کا سبق یہ ہے کہ اگرچہ اس واقعہ میں آگ کی طرح کچھ حالات ظاہر ہوتے ہیں اور تکلیف دہ محسوس کرتے ہیں، طویل مدت میں جو چیزیں پیش آتی ہیں وہ مسلمان کے لیے اس کی خواہش سے بہتر ہیں، خواہ وہ فوری طور پر حکمت کا مشاہدہ نہ کرے۔ ان کے پیچھے .شاید مشکل کا سامنا کرنا ایک مسلمان کو جنت میں داخل کرنے کی وجہ ہے۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[..."

قناعت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلام کی طرف سے تجویز کردہ چیزیں مانگنے اور اس کی خواہش کرنے سے پرہیز کیا جائے، جیسے جنت میں داخل ہونا۔ لیکن اس میں دنیاوی چیزیں مانگنے سے پرہیز کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کے انتخاب کے موافق نہ ہو، اور اس میں اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو قبول کرنا اور ترجیح دینا شامل ہے، جب چیزیں مطلوبہ یا منصوبہ بندی کے مطابق کام نہیں کرتی ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ کے فرمان پر راضی نہیں ہو سکتا تو کم از کم صبر کرنا ضروری ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے..."

ایک مسلمان کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جس نے ان کے لیے حالات کا انتخاب کیا ہے وہی انہیں اس سے محفوظ طریقے سے نکال سکتا ہے۔ یہ صرف اس کی اطاعت سے اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

‘‘اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔’’

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور قیامت

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر مشتمل ہے اور اس کا تذکرہ قرآن مجید کی سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 260 میں ہے:

اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کیا تم ایمان نہیں لائے؟ اس نے کہا ہاں، لیکن صرف اس لیے کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" :چار پرندے لے لو اور انہیں اپنے پاس رکھو، پھر ہر پہاڑی پر ان کا ایک حصہ رکھ دو، پھر انہیں بلاؤ، وہ تمہارے پاس جلدی سے آئیں گے۔"

سب سے پہلے تو یہ بتانا ضروری ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قیامت کے عمل کے بارے میں اس لیے سوال نہیں کیا کہ انہیں کوئی شک تھا۔ ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس طرح کا برا خیال رکھنا حماقت ہے۔ جب اس پر ان کے اعتقاد کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے واضح طور پر اثبات میں جواب دیا۔ یہ قرآن پاک میں درج ہے اور اس لیے ناقابل چیلنج ہے۔

اس واقعہ سے سیکھنے کا ایک اہم سبق ایمان کا یقین حاصل کرنے کی اہمیت ہے۔ ایمان کے مختلف درجات ہیں جنہیں ایک مسلمان اپنا سکتا ہے۔ کمزور ایمان والا اس شخص کی طرح ہے جس کو بتایا گیا ہو کہ ان کے خواب گاہ میں کسی ایسے شخص نے سانپ رکھا ہوا ہے جس پر وہ اعتبار نہیں کرتا، جیسے کوئی اجنبی۔ اگرچہ وہ اس شخص پر یقین کر سکتے ہیں پھر بھی انہیں یقین نہیں ہو گا کہ معلومات درست ہیں۔ جس کا ایمان مضبوط ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جس کو بتایا جائے کہ ان کے خواب گاہ میں کسی ایسے شخص کے ذریعے سانپ ہے جس پر وہ بھروسہ کرتا ہے، جیسے کہ کوئی رشتہ دار۔ ایمان کی یہ سطح زیادہ تر مسلمانوں کے پاس ہے جنہوں نے اسلام قبول کیا کیونکہ انہیں کسی ایسے شخص نے بتایا تھا جس پر وہ بھروسہ کرتے تھے، جیسے کہ ان کے والدین۔ ایمان کا اگلا درجہ علم، تحقیق اور تجربے پر مبنی ہے۔ مثال کے طور پر، اگر کوئی شخص اپنے سونے کے کمرے میں سانپ کی علامات کو دیکھتا ہے، جیسے

اس کی چھلائی ہوئی جلد، کاٹنے کے نشانات اور دیگر علامات۔ یہ درجہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب ایک مسلمان قرآن پاک میں موجود علم حاصل کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کو حاصل کرتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی نشانیاں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت ان پر ظاہر ہو جاتی ہے۔ وہ جتنا زیادہ علم حاصل کریں گے اور اس پر عمل کریں گے، اتنی ہی زیادہ نشانیاں دکھائی جائیں گی، جس کے نتیجے میں ان کے ایمان کی قوت میں اضافہ ہوگا۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

”ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ یہ حق ہے“۔

ایمان کا اعلیٰ ترین درجہ اپنی جسمانی آنکھوں سے گواہی دینا ہے جو تمام انسانوں کو ان کی موت کے بعد اور قیامت کے دن عطا کیا جائے گا۔ یہ جسمانی طور پر سونے کے کمرے میں سانپ کو دیکھنے جیسا ہے۔

تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس واقعہ سے قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کا مطالعہ کریں تاکہ وہ اپنے ایمان کو مضبوط کر سکیں۔ مضبوط ایمان رکھنے والا نہ صرف کمزور ایمان والے سے زیادہ نیک اعمال کرے گا اور گناہوں سے باز رہے گا بلکہ وہ اپنی زندگی میں آنے والی ہر مشکل کو صبر کے ذریعے آسانی سے دور کر لے گا اور آسانی کے وقت شکر گزاری کا مظاہرہ کرے گا۔ وہ اسلام کے مشورے کے مطابق ہر صورت حال کا جواب دیں گے اور بے شمار انعام حاصل کریں گے۔ یعنی جب وہ آسانی کا سامنا کریں گے تو وہ اپنے پاس موجود تمام نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرکے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے۔ جب انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ صبر کرتے ہیں اور یہاں تک کہ اس پر راضی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ ان کے لیے چنتا ہے۔ یہ طرز عمل اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان تمام نعمتوں کو استعمال کرتے رہیں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے دماغ اور جسم دونوں جہانوں میں سکون حاصل ہوگا۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ "
" "زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

عظیم قربانی

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ان کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم قربانی۔ باب 37 بطور صفات، آیات 102-107:

" اور جب وہ اس کے ساتھ مشقت کی عمر کو پہنچا تو اس نے کہا کہ اے میرے بیٹے، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھ پر قربان ہو جاؤں، تو دیکھو کہ تمہارا کیا خیال ہے۔ "اس نے کہا اے میرے ابا جی جیسا آپ کو حکم دیا گیا ہے ویسا کرو، اللہ نے چاہا تو آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے۔ اور جب وہ دونوں سر تسلیم خم کر چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ماتھے کے بل لٹا دیا۔ ہم نے اسے پکارا کہ اے ابراہیم تو نے خواب کو پورا کر دیا۔ بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔ بے شک یہ صریح آزمائش تھی۔ اور ہم نے اسے ایک عظیم قربانی کے ساتھ فدیہ دیا۔"

سمجھنے کے لیے پہلا سبق یہ ہے کہ آزمائشوں اور آزمائشوں کا سامنا کرتے وقت صبر کی اہمیت ہے۔ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان سے زیادہ محبوب یعنی انبیاء علیہم السلام ان سے بھی زیادہ سخت آزمائشوں سے دوچار ہوئے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2472 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے لیے کسی کو آزمایا نہیں گیا۔ صبر میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے عمل اور گفتگو سے شکایت کرنے سے گریز کرنا شامل ہے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

مسلمانوں کو یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ وہ کسی بھی صورت حال میں مبتلا ہوں، یہ ان کے لیے فائدہ مند ہے، چاہے یہ ان کے لیے ظاہر نہ ہو۔ جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت ہے کہ اگر کوئی

مسلمان کسی مشکل کا سامنا کرے اور صبر کا مظاہرہ کرے تو اسے اس کا اجر ملے گا۔ اور اگر وہ آسانی کے وقت کا سامنا کرتے ہیں اور شکر ادا کرتے ہیں، ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے جو انہیں عطا کی گئی ہے، انہیں اس کا اجر ملے گا۔ پس اس حدیث کی رو سے مسلمان کو ہر صورت فائدہ مند ہے، خواہ وہ اس کے پیچھے حکمت کا مشاہدہ نہ کرے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

مسلمانوں کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ایک ایسی صورت حال کا سامنا کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کر دیا ہے، چاہے وہ اس پر کس طرح کا ردعمل ظاہر کریں۔ اگر وہ صبر کے ساتھ اس کا مقابلہ کریں گے تو انہیں دنیا اور آخرت میں بے شمار اجر ملے گا۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[..."

لیکن اگر وہ بے صبری کے ساتھ اس کا سامنا کریں گے، تو وہ انعام سے محروم ہو جائیں گے اور اپنے رویے کی وجہ سے زیادہ تناؤ برداشت کریں گے۔ کسی بھی صورت میں انہیں اس مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو ان کا مقدر ہے، اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ راستہ اختیار کریں جو دونوں جہانوں میں اجر و برکت کا باعث ہو۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو بے ہودہ نہیں ہونا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ دنیا جنت نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی دنیا ہے جسے انسانوں کی آزمائش کے لیے بنایا گیا ہے، اس لیے یہ کبھی بھی آزمائشوں اور آزمائشوں سے پاک نہیں ہو سکتی۔ باب 67 الملک، آیت 2:

"...جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں بہتر ہے"

جب ایک مسلمان اپنی فطرت کو پہچان لیتا ہے تو مشکلات اور آزمائشوں کا سامنا کرنا اسے حیران نہیں کرتا، جیسا کہ وہ اس دنیا میں رہتے ہوئے اس کی توقع کرتے ہیں۔ جس طرح سے کوئی شخص حملہ آور ہونے کی توقع رکھتا ہے اگر وہ اپنے آپ کو کسی جنگلی جانور سے پاتا ہے تو اسے اس دنیا میں آزمائشوں اور آزمائشوں کی توقع کرنی چاہیے۔ اس طرح ذہنی طور پر تیاری کرنے سے ایک مسلمان کو پکڑے جانے سے بچ جائے گا، جو اکثر بے صبری کا سبب بنتا ہے۔

اس عظیم واقعہ سے ایک اور سبق سیکھنے کا یہ ہے کہ جس طرح انسان اس مادی دنیا میں کسی چیز کو حاصل نہیں کر سکتا، جیسے مال، قربانی کے بغیر، اور نہ کوئی مسلمان قربانی کے بغیر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکتا ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 2:

’’کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لائے ہیں اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی؟‘‘

مسلمانوں کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان سے اتنی بڑی قربانیوں کا تقاضا نہیں کرتا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام نے کی تھیں۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ وہ اس طرح قربانی کریں جس طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نے کی۔ انہوں نے اپنا مال، گھر، خاندان اور جانیں قربان کر دیں۔ اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو چند واجبات سونپے ہیں جن کے لیے ان کے وقت، توانائی اور مال کی تھوڑی سی قربانی درکار ہے۔ اگر کوئی جنت کی عظمت پر غور کرے تو اسے احساس ہو جائے گا کہ وہ قربانیاں دینے کی ترغیب دی گئی ہیں جو وعدہ شدہ انعام کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے، اس

کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کریں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی اس بات کی دلیل ہے کہ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنی خواہشات، محبت اور خواہشات کو قربان کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جانوروں کی قربانی کی رسم، مسلمان ہر سال ادا کرتے ہیں، اس کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ صرف ایک جانور کی قربانی نہیں بلکہ بہت کچھ ہے۔ باب 22 الحج، آیت 37:

’’ اللہ تک نہ ان کا گوشت پہنچے گا اور نہ ان کا خون، لیکن جو چیز اس تک پہنچے گی وہ تمہاری طرف سے تقویٰ ہے۔ اسی طرح ہم نے ان کو تمہارے تابع کر دیا ہے تاکہ تم اللہ کی اس بات پر تسبیح کرو جس کی طرف اس نے تمہیں ہدایت کی ہے۔‘‘

مسلمانوں کو چاہئے کہ اس آیت میں بیان کردہ تقویٰ کو پورا سال اپنائیں اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو اپنی خواہشات کے سامنے رکھیں۔ تب ہی وہ صحیح معنوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقش قدم پر چل سکیں گے۔

اس عظیم واقعہ سے سیکھنے کا ایک اور اہم سبق اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے۔ اس عظیم واقعہ کی طرح ناگزیر اور تباہ کن حالات میں بھی ایک مسلمان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ مسلمانوں کو سمجھنا چاہیے کہ ان کا علم بہت محدود ہے اور وہ انتہائی کم نظر ہیں۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب کے پس پردہ حکمتوں کو پوری طرح نہیں جان سکتے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا علم اور الٰہی ادراک لامحدود ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر اسی طرح بھروسہ کرنا چاہیے جس طرح ایک نابینا شخص اپنے جسمانی رہنما کی رہنمائی پر بھروسہ کرتا ہے۔ مسلمان کا رویہ کچھ بھی ہو، اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہو جائے گا، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ بے صبری کے بجائے اس کی حکمت پر بھروسہ کیا جائے، جو مزید پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ جو شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو اس کی رضامندی کے لیے استعمال

کرتے ہوئے اپنی اطاعت کو برقرار رکھتا ہے، وہ ہمیشہ ایک بابرکت حالت سے دوسری صورت میں منتقل ہوتا رہے گا، خواہ یہ ان پر ظاہر نہ ہو۔

اس کے علاوہ اپنی زندگی کے اندر موجود ان گنت مثالوں کو یاد رکھنا بھی ضروری ہے جب انسان کسی چیز کی خواہش کرتا ہے، اسے حاصل کرنے کے بعد صرف پچھتاوا ہوتا ہے۔ اور جب وہ کسی چیز کو ہونے سے ناپسند کرتے تھے، صرف بعد میں اپنا خیال بدلنے کے لیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز "پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

چونکہ تقدیر لوگوں کے ہاتھ سے نکل چکی ہے، اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس چیز پر توجہ مرکوز کریں جو ان کے اختیار میں ہے، اگر وہ مشکلات سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس سے اجتناب۔ اس کی ممانعتوں اور تقدیر کا مقابلہ روایات کے مطابق صبر کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اس بات کی ضمانت دی ہے کہ وہ ایک مسلمان کو دونوں جہانوں کی تمام مشکلات سے نجات دے گا۔ انہیں صرف اس کی فرمانبرداری کرنا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

‘‘اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔’’

جو چیز کسی کے اختیار میں نہیں ہے اس کے معنی یعنی تقدیر پر زور دینا حماقت ہے اور جو چیز کسی کے اختیار میں ہے اس سے غافل رہنا یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا۔

کعبہ

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے گھر یعنی کعبہ کی تعمیر کرکے اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 127:

''اور جب ابراہیم)علیہ السلام (اور اسماعیل)علیہ السلام (بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اے ہمارے رب ہم سے یہ قبول فرما، بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

اس عظیم واقعہ سے بہت سے سبق سیکھے جا سکتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے وقت اور توانائی کا کچھ حصہ فرضی فرائض سے بڑھ کر ایسے کاموں میں لگا دیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ کوئی بھی مسلمانوں کو اپنی تمام کوششیں وقف کرنے کا حکم نہیں دے رہا ہے، جیسا کہ انبیاء علیہم السلام نے کیا، لیکن وہ باقاعدگی سے کچھ وقف کریں۔ یہ واقعہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ جو لوگ اپنی محنت اور وقت اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کرتے ہیں انہیں نہ صرف اجر ملے گا بلکہ ان کی کوششیں دونوں جہانوں میں یاد رکھی جائیں گی۔ اگرچہ اللہ کا گھر، کعبہ، شاید ابھی تک تعمیراتی معجزے کی طرح نہیں لگتا ہے، جیسا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بنایا گیا تھا، لیکن یہ آج تک قائم اور بہت عزت والا ہے، حالانکہ تقریباً 4500 حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے کے ذریعہ اس کی تعمیر کو برسوں گزر چکے ہیں۔ لاتعداد لوگوں نے صدیوں کے دوران عظیم قلعے، محلات اور سلطنتیں تعمیر کیں لیکن ان میں سے اکثریت ختم ہو گئی اور معاشرے کو بمشکل ہی یاد ہے۔ ان کو بنانے والے بھی تاریخ میں حاشیہ بن چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جانے والا کام نہ صرف خود قائم رہتا ہے بلکہ وہ کام بھی یاد کیے جاتے ہیں، جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے کو یاد کیا جاتا ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے ان کی کاوشوں کو اس قدر عزت بخشی کہ حجر اسود کے پیچھے کھڑے ہو

کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت کے بغیر کوئی زیارت مکمل نہیں کر سکتا جسے عمرہ کہا جاتا ہے اور حج کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے گھر کی تعمیر کے دوران۔ باب 2 البقرہ، آیت 125:

‘‘اور)اے ایمان والو (ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ سے نماز کی جگہ بنا لو۔’’

تمام دنیاوی کوششیں آخرکار ختم ہو جائیں گی۔ وہ دنیا میں لوگوں کو وقتی طور پر فائدہ پہنچا سکتے ہیں لیکن آخرت میں ان کے کام نہیں آئیں گے۔ درحقیقت، اگرچہ وہ ان کوششوں کو ابھی پیچھے چھوڑ دیں گے، قیامت کے دن ان سے جوابدہ ہو گا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کی جانے والی کوششیں دونوں جہانوں میں ایک مسلمان کو فائدہ پہنچائیں گی۔ باب 16 النحل، آیت 96:

"تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ ختم ہو جائے گا، لیکن جو اللہ کے پاس ہے وہ پائیدار ہے۔"

یہ کوششیں ایک پوری مسجد کی تعمیر جیسی بڑی نہیں ہونی چاہئیں۔ ایک مسلمان کو صرف اپنی طاقت کے مطابق عمل کرنے کی ضرورت ہے، جیسے کہ مسجد کی تعمیر میں حصہ ڈالنا۔ اگر وہ خلوص کے ساتھ عمل کریں گے تو ان کا صلہ تصور سے باہر ہوگا۔ بہت سی احادیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ، جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 2342 میں موجود ہے۔ یہ حدیث نصیحت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کھجور کے ایک پھل کا صدقہ کرنے جیسی چھوٹی سی کوشش کا اجر عظیم ملے گا۔ ایک پہاڑ سے زیادہ سائز.

یہ عظیم واقعہ بھی اخلاص کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ شروع میں نقل کی گئی آیت سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کو

راضی کرنا تھا جیسا کہ انہوں نے فوراً اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے اور اس طرح یہ واضح ہو گیا کہ ان کے نیک نیت اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں تھی۔

یہ تمام مسلمانوں کے لیے ایک واضح سبق ہے کہ جب بھی وہ اچھے کام کریں تو ان کی نیت درست ہو۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو راضی کرنے کے لیے عمل کرتا ہے، اس سے کہا جائے گا کہ وہ قیامت کے دن ان سے اس کا اجر حاصل کرے، جو ممکن نہیں ہوگا۔ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ عظیم واقعہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اہم سبق بھی سکھاتا ہے۔ کسی کو اپنے پاس موجود کسی بھی چیز یا کسی نیک عمل پر کبھی فخر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی ممکن ہے۔ علم، الہام، طاقت اور نیک کام کو مکمل کرنے کا موقع سب اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے۔ کسی عمل پر غرور کرنا نہ صرف اس کی تباہی کو یقینی بناتا ہے بلکہ جو شخص ذرہ برابر بھی تکبر رکھتے ہوئے مر جائے وہ جہنم میں جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 266 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آسانی سے کسی اور کو نیک عمل کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔ لہٰذا، انہیں عاجزی اور شکرگزاری کا مظاہرہ کرنا چاہئے کہ انہیں منتخب کیا گیا تھا.

آخر میں یہ عظیم واقعہ نہ صرف نیک عمل کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے قبول ہونے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے تاکہ وہ آخرت اور دنیا میں ثواب حاصل کریں۔ یہ تب ہو گا جب کوئی مسلمان اپنے ساتھ نیک عمل کو محفوظ طریقے سے اگلے جہان میں لے جائے۔ اس کی طرف باب 6 الانعام، آیت 160 میں اشارہ کیا گیا ہے:

"...جو شخص]قیامت کے دن [نیک عمل لے کر آئے گا"

یہ آیت واضح طور پر اعلان کرتی ہے کہ جو کوئی نیک عمل کو قیامت تک لے کر آئے گا اس کو اجر ملے گا۔ یہ اعلان نہیں کرتا کہ جو کوئی عمل کرے گا اسے اجر ملے گا۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے اعمال کی حفاظت کرتے ہوئے انہیں ان برے خصلتوں سے محفوظ رکھے جو انہیں تباہ کر سکتی ہیں، جیسے کہ غرور۔ اس کے لیے ایک مسلمان کو اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ ان کے اندر موجود برے خصائص کو دور کیا جا سکے جو ان کے اچھے اعمال جیسے حسد کی تباہی کا باعث بن سکتی ہیں۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4210 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ کا گھر، کعبہ، نہ صرف وہ سمت ہے جس کا رخ وہ دن میں پانچ وقت نماز کے دوران کرتے ہیں بلکہ یہ اس بات کی نمائندگی کرتا ہے کہ کس طرح ایک مسلمان کو اپنے روحانی دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھنا چاہیے۔ ، دن بھر اور ہر حالت میں۔ یہ تب ہی ممکن ہے جب کوئی شخص ان نعمتوں کو استعمال کرے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ کعبہ کا اصل میں یہی مطلب ہے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی میراث ہے۔ باب 6 الانعام، آیت 79:

’’بے شک میں نے اپنا رخ اس کی طرف کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، حق کی طرف مائل ہوں اور میں اللہ کے ساتھ شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔‘‘

وہ مقدس حج

:اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی اس کا تذکرہ باب 3 علی عمران آیت 97 میں ہے

اور اللہ کے لیے لوگوں کی طرف سے بیت اللہ کا حج ہے، اس کے لیے جو اس تک پہنچنے کی ’’ استطاعت رکھتا ہے‘‘۔

ہر مسلمان، جو اس معیار پر پورا اترتا ہے، کو اپنی زندگی میں کم از کم ایک بار حج کرنا چاہیے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ حج مقدس کا اصل مقصد مسلمانوں کو آخرت کے آخری سفر کے لیے تیار کرنا ہے۔ جس طرح ایک مسلمان حج کے لیے اپنے گھر، کاروبار، دولت، خاندان، دوست احباب اور سماجی حیثیت کو پیچھے چھوڑتا ہے، یہ اس کی موت کے وقت ہوگا، جب وہ آخرت کا سفر طے کرے گا۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود ایک حدیث اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ کسی شخص کا اہل و عیال ان کو قبر پر چھوڑ دیتے ہیں اور ان کے ساتھ ان کے نیک اور برے اعمال ہی قبر میں آتے ہیں۔

جب کوئی مسلمان اپنے حج کے دوران اس بات کو ذہن میں رکھے گا تو وہ اس فرض کے تمام پہلوؤں کو صحیح طریقے سے ادا کرے گا۔ یہ مسلمان ایک بدلے ہوئے شخص کے گھر واپس لوٹے گا، کیونکہ وہ اس مادی دنیا کے اضافی پہلوؤں کو جمع کرنے کے بجائے آخرت کے اپنے آخری سفر کی تیاری کو ترجیح دے گا۔ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے حاصل کریں گے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں فضول خرچی اور اسراف کے بغیر ان کی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے اس دنیا سے لینا بھی شامل ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ حج کو تعطیل اور خریداری کی جگہ نہ سمجھیں کیونکہ اس سے اس کا مقصد ختم ہو جاتا ہے۔ یہ مسلمانوں کو ان کے آخرت کے آخری سفر کی یاد دلانا چاہیے۔ ایسا سفر جس میں واپسی کا کوئی دوسرا موقع نہیں ہے۔ صرف اسی سے انسان کو حج کی صحیح تکمیل اور آخرت کے لیے مناسب تیاری کرنے کی ترغیب ملے گی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف سازش

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ حضرت یوسف علیہ السلام کا عظیم واقعہ ہے۔ اس کی کہانی پر پورے قرآن میں بڑے پیمانے پر بحث کی گئی ہے اور یہ مسلمانوں کے لیے بہت مشہور ہے۔

سیکھنے کا پہلا سبق یہ ہے کہ کسی کے لیے حسد یا ناپسندیدگی کو کبھی بھی اس کے خلاف سازش کرنے یا نقصان پہنچانے پر مجبور نہیں ہونے دینا چاہیے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے برادران آپ سے جو حسد رکھتے تھے، اس نے انہیں نقصان پہنچانے کی ترغیب دی۔ باب 12 یوسف، آیت 10:

ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو قتل نہ کرو بلکہ اسے کنویں کی تہہ میں پھینک دو، اگر تم کچھ کرو گے تو کچھ مسافر اسے اٹھا لیں گے۔

یہ ذہنیت صرف ایک دوسرے کو بہت سے گناہوں کی طرف لے جاتی ہے، جن میں سے کچھ کا ذکر اس عظیم واقعہ میں کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر، اس نے انہیں حضرت یوسف علیہ السلام کو جسمانی طور پر نقصان پہنچانے، اپنے والد سے جھوٹ بولنے اور اپنے خاندان کے ساتھ رشتہ داریوں کو منقطع کرنے کی ترغیب دی۔ ایک مسلمان جو دوسروں کے لیے ناپسندیدگی محسوس کرتا ہے اسے ظاہری طور پر ظاہر کرنے سے ہمیشہ باز رہنا چاہیے اور باطنی طور پر اس منفی احساس کی مزاحمت کرنی چاہیے۔ ان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اس شخص کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کریں اور اس کے سوا کسی سے اجر طلب کریں۔ امید ہے کہ جو بھی ایسا سلوک کرے گا اسے کسی اور کو ناپسند کرنے کی سزا نہیں دی جائے گی، کیونکہ اس نے اپنے جذبات پر عمل نہیں کیا۔

سیکھنے کے لیے ایک اور اہم بات یہ ہے کہ کسی کو کبھی بھی برے کام کرنے کی سازش نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ یہ ہمیشہ، کسی نہ کسی طرح، ان پر الٹا فائر ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر یہ نتائج اگلے جہان تک موخر کر دیے جائیں تو بھی آخرکار ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس صورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو نقصان پہنچانا چاہا جیسا کہ وہ اپنے والد گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت، احترام اور پیار چاہتے تھے۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ان کی تدبیریں انہیں اپنی خواہش سے دور کر دیتی ہیں۔ باب 12 یوسف، آیت 18:

اور وہ اس کی قمیض پر جھوٹا خون لے آئے۔]یعقوب [نے کہا، "بلکہ تمہاری روحوں نے تمہیں "کسی چیز پر آمادہ کیا ہے، اس لیے صبر سب سے زیادہ مناسب ہے۔"

کوئی جتنی زیادہ برائی کی سازش کرے گا، اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مقصد سے اتنا ہی دور کر دے گا۔ خواہ وہ ظاہری طور پر اپنی خواہش پوری کر لیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کی خواہش کی تھی وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے لعنت بن جائے گا الا یہ کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں۔ مثلاً ناجائز ذرائع سے حاصل کی گئی دولت ان کے لیے دونوں جہانوں میں تناؤ اور پریشانی کا باعث بنے گی۔ انسان کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اچھے یا برے منصوبے کا مقصد دراصل کسی قسم کا ذہنی سکون حاصل کرنا ہے۔ یہاں تک کہ اگر منصوبہ بہت سے مختلف شکلیں اختیار کرتا ہے، حتمی مقصد اب بھی ایک ہی ہے۔ ایک منشیات کا مالک دولت اور طاقت حاصل کرنے کے لیے ایک سلطنت بناتا ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ چیزیں ان کے لیے ذہنی سکون کا باعث بنیں گی۔ لیکن یہ حتمی مقصد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ہرگز حاصل نہیں ہو گا، چاہے وہ دولت اور طاقت جیسے ذرائع حاصل کر لیں۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے " قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

اور باب 35 فاطر، آیت 43:

لیکن شیطانی سازش اپنے لوگوں کے علاوہ کسی کو نہیں گھیرتی۔ پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے ..."
‘‘راستے]یعنی تقدیر [کے سوا انتظار کرتے ہیں؟

حضرت یعقوب علیہ السلام کا صبر

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ حضور یعقوب علیہ السلام کا ثابت قدمی ہے۔ باب یوسف، آیت 18 12:

اور وہ اس کی قمیض پر جھوٹا خون لے آئے۔)یعقوب (نے کہا، "بلکہ تمہاری جانوں نے تمہیں " کسی چیز پر آمادہ کیا ہے، اس لیے صبر سب سے زیادہ مناسب ہے، اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو، اس کے مقابلے میں اللہ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے۔"

پہلی بات یہ ہے کہ اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام جانتے تھے کہ ان کے بیٹوں نے ان کے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو نقصان پہنچایا ہے، اس کے باوجود انہوں نے واضح طور پر ان کا پردہ فاش نہیں کیا۔ برتاؤ اور اس کے بجائے اسے چھپانے کا انتخاب کیا، امید ہے کہ وہ آخر کار خلوص سے توبہ کریں گے۔ اس سے ایک مسلمان کو دوسروں کے عیب چھپانے کی اہمیت کو سمجھنا چاہیے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 225 میں ایک حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں کو دنیا اور آخرت میں چھپائے گا جب وہ دوسروں کے عیب چھپائے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 2546 میں موجود ایک اور حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص دوسروں کے عیبوں کو ظاہر کرے گا اس کے عیب ظاہر ہوں گے۔

اس کے علاوہ، دوسروں کے عیبوں کو چھپانا، خاص طور پر جب گنہگار کو معلوم ہو کہ اس کی غلطی چھپائی گئی ہے، اس کے امکانات بڑھ جاتے ہیں کہ وہ اپنے گناہ سے سچے دل سے توبہ کر لیں گے۔ دوسری طرف، عام طور پر ایک گنہگار کو شرمندہ کرنا، زیادہ تر معاملات میں، صرف ایک شخص کو مخلص توبہ سے مزید دور کرنے کا سبب بنے گا۔ درحقیقت، غصہ اُنہیں اُس شخص سے بدلہ لینے پر مجبور کر سکتا ہے جس نے اُن کی غلطی کا پردہ فاش کیا، جو صرف مزید گناہوں کی طرف لے جاتا ہے۔

اس کے علاوہ چونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس ان کے خلاف کوئی واضح ثبوت نہیں تھا، اس لیے وہ نتیجہ کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے۔

اس عظیم تقریب میں باقی مریض کی اہمیت کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، کہ سچا صبر وہ نہیں ہے جب کوئی آخرکار، وقت گزرنے کے ساتھ، اس بات کو قبول کرتا ہے کہ وہ کچھ ناپسند کرتا ہے، جیسے کسی محبوب کی موت۔ یہ سچا صبر نہیں ہے، یہ صرف قبولیت ہے، جو سب سے زیادہ بے صبرے کو بھی ہوتا ہے۔ اس آیت سے سچا صبر ظاہر ہوتا ہے اور صحیح بخاری نمبر 1302 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث میں اشارہ ملتا ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ مشکل کے شروع میں ہی صبر کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مشکل کے شروع میں بے صبری دکھاتا ہے اور پھر آخرکار اسے قبول کر لیتا ہے وہ واقعی صبر نہیں کرتا۔ صبر میں شامل ہے کہ کسی کے فعل یا تقریر کے ذریعے شکایت کرنے سے گریز کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو جاری رکھا جائے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو خوش کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

یہ عظیم واقعہ اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے کہ صبر جیسی کوئی بھلائی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ علم، الہام، طاقت اور نیک کام کرنے کا موقع، جیسے صبر کا مظاہرہ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔ اس کو یاد رکھنا انسان کو غرور کی مہلک بری صفت کو اپنانے سے روکتا ہے۔

آخر میں یہ واقعہ اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ کسی کو اپنی مشکل سے صرف صحیح رہنمائی ملے گی، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے دونوں جہانوں میں سکون قلب اور بے شمار اجر حاصل کر سکیں۔ توسیع کے طور پر، انسان کو سکون کے اوقات میں دونوں جہانوں میں سکون اور برکات صرف اس وقت حاصل ہوں گی جب وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو برقرار رکھے گا، اسے ہر حال میں مدد فراہم کی جائے گی تاکہ وہ دونوں جہانوں میں ذہنی سکون اور کامیابی حاصل کریں۔ باب 65 طلاق میں، آیات 2-3:

" اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا، اور اسے ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو، اور جو اللہ پر بھروسہ کرے گا تو وہ اس کے لیے کافی ہے۔"

اور باب 16 النحل، آیت 97:

" جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

ثابت قدم حضرت یوسف علیہ السلام

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی اس کا ذکر باب 12 یوسف، آیت 24 میں ہے:

" اور اس نے یقیناً اس کا ارادہ کیا اور وہ اس کی طرف مائل ہو جاتا اگر اس نے اپنے رب کی دلیل نہ دیکھی ہوتی۔ اور اسی طرح ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو دور کر دیں۔ بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا۔"

یہ آیت مسلمانوں کو یاد دلاتی ہے کہ جب بھی انہیں شیطان یا انسان گناہوں پر آمادہ کریں تو فوراً اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کے نقش قدم پر چلیں۔ اللہ عزوجل کی ہمہ جہت نگاہوں کو یاد کرنا گناہ سے باز رہنے کی ترغیب دے سکتا ہے، یہ یاد دلانے سے کہ اگر کوئی ان کو نہیں دیکھتا تو بھی اللہ تعالیٰ ضرور کرتا ہے۔ اس کے علاوہ، اللہ تعالیٰ نہ صرف ان کا مشاہدہ کرتا ہے بلکہ ان سے ایسے دن حساب لے گا جو ٹل نہیں سکتا۔ قرآن پاک میں اس رویہ کی تلقین کی گئی ہے۔ باب 7 الاعراف، آیت 201:

’’ درحقیقت وہ لوگ جو اللہ سے ڈرتے ہیں جب انہیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پہنچتا ہے تو وہ اس کو یاد کرتے ہیں اور وہ فوراً بصیرت حاصل کرلیتے ہیں۔‘‘

یہ عظیم واقعہ مسلمانوں کو یہ نصیحت بھی کرتا ہے کہ وہ ایسے مقامات اور لوگوں سے بچیں جو انہیں گناہوں کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ انہیں وہی سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کیا تھا جب وہ اس عورت سے بھاگے تھے جس نے انہیں گناہ کی طرف دعوت دی تھی اور اس جگہ سے جہاں سے گناہ ہونا تھا۔ ماحول اور ساتھیوں کا ہمیشہ کسی کے رویے پر بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4833 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ ایک شخص اپنے دوست کے مذہب پر ہے۔

یعنی وہ اپنے ساتھیوں کی خصوصیات کو اپنائیں گے۔ لہٰذا مسلمانوں کو ان مقامات اور لوگوں سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے جو انہیں گناہوں کی طرف دعوت دیتے ہیں اور ان لوگوں کی صحبت تلاش کریں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اس دنیا میں حلال طریقے سے کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ عظیم واقعہ مسلمانوں کو یہ بھی سکھاتا ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خلوص نیت سے جدوجہد کریں، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کریں۔ اللہ تعالیٰ انہیں دینی اور دنیاوی نقصانات سے محفوظ رکھے گا۔ لوگ کامل نہیں ہیں، وہ غلطیاں کریں گے۔ لہٰذا اس تحفظ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچی توبہ کی ہدایت شامل ہے۔ سچی توبہ میں پچھتاوا محسوس کرنا، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جن لوگوں پر ظلم ہوا ہے، جب تک کہ اس سے مزید مسائل پیدا نہ ہوں، دوبارہ وہی یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہ کرنے کا وعدہ کرنا اور کسی ایسے حقوق کی تلافی کرنا شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے احترام میں خلاف ورزی کی گئی ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4251 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا اس طرح بہترین لوگوں میں سے ایک کی خصوصیت ہے۔

ایمان پر کوئی سمجھوتہ نہیں۔

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی اس پر سمجھوتہ کرنے کی بجائے اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کی اہم خصوصیت کو اجاگر کرتی ہے۔ باب 12 یوسف، آیت 33:

اس نے کہا :اے میرے رب، قید میرے لیے اس سے زیادہ پسند ہے جس کی طرف وہ مجھے بلاتے ہیں، اور اگر تو نے مجھ سے ان کی چال نہ ٹال دی تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے گناہ کرنے کے بجائے جیل جانے کا انتخاب کیا۔ مسلمانوں سے یہ توقع نہیں کی جاتی کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح بڑی قربانیاں دیں لیکن انہیں لوگوں کی خاطر یا دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے اپنے ایمان پر سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے۔ .یہ سمجھنا ضروری ہے کہ انسان کو اپنے ایمان پر سمجھوتہ کرکے دنیاوی کامیابی خواہ کتنی ہی کیوں نہ حاصل ہو بالآخر یہ کامیابی اس کے لیے دونوں جہانوں میں لعنت اور بہت بڑا بوجھ بن جائے گی۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ جب کوئی میڈیا دیکھتا ہے کہ جن لوگوں نے اپنی اخلاقی اقدار اور ایمان پر سمجھوتہ کیا وہ غمگین اور افسردہ ہو گئے خواہ انہیں کتنی ہی دنیوی کامیابیاں ملیں۔ باب 20 طٰہٰ، آیت 124:

" اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہے اور اس بات پر پختہ یقین رکھے کہ جلد یا بدیر انہیں دنیاوی کامیابیاں ان کی توقعات سے بڑھ کر نصیب ہوں گی، ان نعمتوں کو چھوڑ دیں جو ان کے لیے اگلے جہان میں منتظر ہیں۔ اس اطاعت میں ان نعمتوں کو

استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

" جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

اور باب 41 فصیلات، آیت 30:

’’ بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر وہ سیدھے راستے پر رہے تو ان پر فرشتے نازل ہوں گے اور کہیں گے کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو بلکہ جنت کی خوشخبری سنو۔ وعدہ کیا گیا تھا۔"

اس کے علاوہ، یہ عظیم واقعہ مسلمانوں کو یہ یقین کر کے غرور سے بچنے کی یاد دلاتا ہے کہ ثابت قدم رہنے کی صلاحیت ان کی اپنی طاقت سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ اللہ رب العزت کی رہنمائی اور رحمت کے بغیر ممکن نہیں۔ درحقیقت نیک عمل کرنا یا گناہوں سے بچنا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر الہام، قوت، علم اور موقع کی صورت میں ممکن نہیں۔ اس سے انسان کو اللہ تعالیٰ کا شکر گزار رہنے کی ترغیب دینی چاہیے، جب بھی وہ دنیاوی یا دینی کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ اس شکر گزاری میں شامل ہے کہ وہ اس کامیابی کو استعمال کریں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں مزید برکتوں کا باعث بنتا ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

" اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

آخر میں، یہ عظیم واقعہ دوسروں کی برے کاموں میں مدد نہ کرنے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے، چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اچھے اور مفید کاموں میں دوسروں کی مدد کریں اور اس کی پرواہ نہ کریں کہ ان کا ذمہ دار کون ہے یا کون ان میں حصہ لے رہا ہے۔ نیکی کی تائید کرنی چاہیے خواہ کوئی اجنبی کام کر رہا ہو اور برے کاموں سے اجتناب کیا جائے اور ان کے خلاف نصیحت کی جائے، چاہے کوئی محبوب ہی کر رہا ہو۔ باب 5 المائدة، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

اچھی بات پر مستقل

:اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی اس کا ذکر باب 12 یوسف، آیت 53 میں ہے

اور میں خود کو بری نہیں کرتا۔ بے شک روح برائی کا مستقل حکم دینے والی ہے سوائے ان " "کے جن پر میرا رب رحم کرے۔ بے شک میرا رب بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو پاکیزگی اور پرہیزگاری کو اپنی طرف منسوب نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ اس سے فخر ہو سکتا ہے۔ سچائی کو تسلیم کرنا بندگی اور عاجزی کے قریب تر ہے :کہ کوئی بھی اچھی چیز اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ہدایت سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ باب 53 :عن نجم، آیت 32

تو اپنے آپ کو پاکیزہ ہونے کا دعویٰ نہ کرو۔ وہ سب سے زیادہ جانتا ہے کہ کون اس سے ڈرتا ..." "ہے۔

اس کے علاوہ، یہ عظیم واقعہ اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے کہ ظاہری اور باطنی شیطان ہمیشہ انسان کو گمراہ کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے ان دونوں دشمنوں کا مقابلہ کرنے میں ثابت قدم رہے ۔ اسے یہی وجہ ہے کہ ایک مسلمان محض زبان سے اسلام قبول نہیں کرسکتا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سرگرداں کوشش کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ جو ایسا سلوک کرے گا وہ ان دشمنوں سے آسانی سے شکست کھا جائے گا۔ ان دشمنوں پر قابو پانے کے لیے اطاعت میں استقامت ضروری ہے۔ یہ ایک وجہ ہے کہ پانچوں فرض نمازوں کو چند گھنٹوں میں یا ہفتے میں ایک دن جمع کرنے کے

بجائے پورے دن میں پھیلا دیا جاتا ہے۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں استقامت سے متصادم ہے۔

اس کے علاوہ یہ واقعہ اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ ایک مسلمان کو دن بھر ڈٹے رہنا چاہیے، جس طرح ان کے دشمن دن بھر ان کے خلاف ڈٹے رہتے ہیں۔ یہ نہ صرف اپنے فرضی فرائض جیسے کہ پانچ وقت کی نمازیں ادا کرنے سے حاصل ہوتا ہے بلکہ دن بھر قرآن پاک کی تعلیمات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو راضی ہوں۔ یہ مستقل اطاعت ایک مسلمان کو ان دشمنوں سے محفوظ رکھے گی اور دونوں جہانوں میں ذہنی اور جسمانی سکون کا باعث بنے گی۔ باب 16 النحل، آیت 97:

" جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ہر پہلو تمام مسلمانوں کے لیے نمونہ عمل ہے۔ باب 33 الاحزاب، آیت 21:

’’ یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔‘‘

روزمرہ کی زندگی میں اس کے نمونے پر عمل کرنے سے ہی ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ان دونوں دشمنوں پر غالب آسکتا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

" کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

حضرت یوسف علیہ السلام نے معاف کیا۔

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی اس کا ذکر باب 12 یوسف، آیت 92 میں ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" :آج تم پر کوئی گناہ نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت میں اپنانے کی ایک ناقابل یقین حد تک اہم خصوصیت کا ذکر کیا گیا ہے :جب کسی کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، خاص طور پر لوگوں کی طرف سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ برائی کا جواب کبھی بھی برائی سے نہیں دینا چاہئے کیونکہ یہ ایک کامیاب مسلمان کے طرز عمل سے متصادم ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 34:

اور اچھے اور برے کام برابر نہیں ہیں۔ برائی کو اس]عمل [سے دفع کرو جو بہتر ہو۔ پھر جس " کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ گویا ایک مخلص دوست ہو گا۔

اچھائی کا جواب اچھائی سے دینا کوئی خاص بات نہیں کیونکہ جانور بھی احسان کے بدلے مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ برائی کے جواب میں اچھائی کا مظاہرہ کیا جائے، خاص طور پر جب کوئی شخص انتقام لینے کی پوزیشن میں ہو، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔ درحقیقت، اس مثبت انداز میں برتاؤ کرنے سے اپنے آپ کو فائدہ ہوتا ہے، کیونکہ جو شخص چیزوں کو چھوڑنا سیکھتا ہے اور دوسروں کو معاف کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتا ہے۔ باب 24 النور، آیت 22:

اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر ..." دے؟''

درحقیقت، جیسا کہ اس عظیم واقعہ سے ثابت ہے، جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود ایک حدیث کے مطابق، جو اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں کو معاف کر دے گا، اللہ تعالیٰ اسے عزت کے ساتھ اٹھائے گا۔

لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ دوسروں کو معاف کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو ماضی کو نظر انداز کرنا چاہیے، کیونکہ اس سے تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 6133 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی کہ مومن کو ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔ اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دوسروں کو معاف کرنا چاہیے اور اس شخص کے ساتھ دوبارہ پیش آنے میں احتیاط برتنی چاہیے، تاکہ وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے حقوق کی ادائیگی کو جاری رکھتے ہوئے خود کو کمزور حالت میں نہ ڈالیں۔

اس کے علاوہ، یہ عظیم واقعہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کسی شخص کو یہ یقین نہیں کرنا چاہئے کہ وہ ان لوگوں سے برتر ہیں جنہیں اس نے معاف کیا ہے۔ جیسا کہ حقیقت میں افضل وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے۔ سنن ابن ماجہ کی حدیث نمبر 4174 کے مطابق جس نے اس قسم کا تکبر اختیار کیا اور اس کے ساتھ آخرت تک پہنچ گیا وہ جہنم میں جائے گا۔

آخر میں یہ عظیم واقعہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ جب تک ایک مسلمان سچے دل سے توبہ کرتا ہے اور بہتر ہونے کی کوشش کرتا ہے، اسے معافی کی امید رکھنی چاہیے۔ سچی توبہ میں پچھتاوا محسوس کرنا، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جن لوگوں پر ظلم ہوا ہے، جب تک کہ اس سے مزید مسائل پیدا نہ ہوں، دوبارہ وہی یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہ کرنے کا وعدہ کرنا اور کسی ایسے حقوق کی تلافی کرنا شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے احترام میں خلاف ورزی کی گئی ہے۔ لیکن ایک مسلمان

کو بدلنے کی کوشش کیے بغیر گناہ جاری نہیں رکھنا چاہیے اور پھر بھی اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت کی امید رکھنا چاہیے، کیونکہ یہ امید نہیں ہے، یہ محض خواہش مندانہ سوچ ہے، جس کی اسلام میں کوئی قدر نہیں۔ اس کی وضاحت جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود حدیث میں ہوئی ہے۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ہے۔ اس کی کہانی بڑے پیمانے پر مشہور ہے اور پورے قرآن پاک میں تفصیل سے زیر بحث ہے۔ مثال کے طور پر، باب 28 القصص، آیت 7 میں ذکر کیا گیا ہے کہ کس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو فرعون کے سپاہیوں سے بچپن میں بچانے کے لیے الہام ہوا تھا۔

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی بھیجی کہ اسے دودھ پلاؤ، پھر جب تمہیں اس کا خوف ہو تو اسے دریا میں ڈال دو اور نہ ڈرو اور نہ غم کرو، ہم اسے تمہاری طرف لوٹا دیں گے اور "اسے ایک کر دیں گے۔ رسولوں کا۔

یہ آیت اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ پر سچا توکل دو عناصر پر مشتمل ہے۔ پہلا حلال اسباب کا استعمال کرنا جو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے۔ دوسرا عنصر اس بات پر بھروسہ کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس نتیجہ کا انتخاب کرے گا وہ اس میں شامل ہر فرد کے لیے بہترین ہو گا، چاہے کوئی شخص فوری طور پر اس کے پیچھے موجود حکمت کا مشاہدہ نہ کرے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے دونوں پہلوؤں کو پورا کیا۔ وہ کارروائی کیے بغیر اپنے گھر میں نہیں رہی، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے اس کے بیٹے کو بچائے گا۔ اس نے جسمانی طور پر اپنے پاس موجود جائز ذرائع کے مطابق جدوجہد کی اور پھر اللہ تعالیٰ کے منصوبے پر بھروسہ کیا۔ مسلمانوں کو کبھی بھی انتہا پسند نہیں ہونا چاہئے اور ایک پہلو کو دوسرے کے بغیر اختیار کرنا چاہئے۔ اسباب کا استعمال اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا ایک پہلو ہے، کیونکہ اسباب اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے بنائے اور مہیا کیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2517 میں موجود ایک حدیث میں کسی کو نصیحت کی کہ وہ اپنے اونٹ کو باندھ کر اپنے پاس موجود اسباب کو استعمال کرے لیکن اللہ تعالیٰ پر بھروسہ بھی کرے۔ اونٹ کی حفاظت کریں گے۔

سماجی فوائد پر چلنا اور اللہ تعالیٰ پر توکل کا دعویٰ کرنا اسلام کی تعلیمات کے مطابق نہیں ہے۔ جو لوگ اس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہیں کرتے، صرف حکومت پر۔ یہ سلوک صرف اس صورت میں قابل قبول ہے جب کوئی شخص سماجی فوائد کا حقدار ہو۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے وسائل مثلاً اپنی جسمانی طاقت کو استعمال کرے اور پھر اللہ پر بھروسہ کرے کہ وہ ہر حال میں ان کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

صلی اللہ علیہ وسلم کا ماحول

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی اس کا ذکر باب 28 القصص آیت 9 میں کیا گیا ہے:

اور فرعون کی بیوی نے کہا، "وہ میرے اور تمہارے لیے آنکھوں کا ٹھنڈا ہو گا، اسے قتل نہ کرو، شاید وہ ہمیں فائدہ دے، یا ہم اسے بیٹا بنا لیں۔ "اور انہوں نے محسوس نہیں کیا۔

یہ عظیم واقعہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں ثابت قدم رہنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے طریقوں سے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ السلام علیکم، یہاں تک کہ جب کوئی غیر اسلامی ماحول سے دوچار ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ آپ کی پرورش فرعون کے محل میں ہوئی تھی۔ کوئی تصور کر سکتا ہے کہ وہاں اب تک جو برائیاں چل رہی تھیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے متاثر نہیں ہوئے اور پھر بھی عمر بھر اعلیٰ کردار پر کاربند رہے۔ اگرچہ، وہ الہی طور پر منفی اثرات سے محفوظ تھا، مسلمانوں کو ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔ اس دن اور دور میں، مسلمان پوری دنیا میں پھیل چکے ہیں اور مختلف معاشروں اور ثقافتوں کے ساتھ مربوط ہو چکے ہیں۔ اگرچہ اسلام مسلمانوں کو دوسری برادریوں کی ثقافتوں اور آراء کا احترام کرنے کا درس دیتا ہے، لیکن انہیں ان رسوم و رواج کو اپنانے کے بجائے اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے جو اس کی تعلیمات سے متصادم ہوں۔ بدقسمتی سے جتنے مسلمان دوسرے معاشروں کے ساتھ الحاق کرتے وقت اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم نہیں رہے، انہوں نے ان کے رسم و رواج کو اپنایا اور انہیں اسلام کی تعلیمات سے اس حد تک ملا دیا کہ ان میں سے بہت سے مسلمانوں کو اسلامی عبادات میں فرق نہیں معلوم۔ اور غیر اسلامی طرز عمل۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے صرف جدید دور کی زیادہ تر مسلم شادیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے محل میں پرورش پاتے ہوئے خاندانِ فرعون کے طرز عمل کو نہیں اپنایا تھا، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ جہاں بھی رہیں اسلام کی تعلیمات پر عمل کریں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی رویہ تھا، جنہوں نے اجنبی ممالک کا سفر کیا، ہمیشہ اسلام کی تعلیمات پر کاربند رہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے کہ ایک مسلمان جتنا زیادہ غیر اسلامی طریقوں کو اپنائے گا وہ قرآن کریم کی تعلیمات اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ یہ رویہ صرف گمراہی کا باعث بنتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف ان اعمال کو قبول کرے گا جن کی جڑیں ہدایت کے ان دو ذرائع میں ہیں۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 85:

"جو شخص خدا کے لیے مکمل بندگی کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے گا تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا، وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاص

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی اس کا تذکرہ قرآن کریم کی سورہ 28 القصص آیت 24 میں ہے:

"...چنانچہ اُس نے اُن کے لیے پانی پلایا۔ پھر وہ سائے میں واپس چلا گیا

یہ عظیم واقعہ چند اہم خصوصیات کی طرف اشارہ کرتا ہے جنہیں مسلمانوں کو اپنانا چاہیے۔ پہلا یہ کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں کی مدد کرنے کے لیے ہر موقع کو استعمال کرے۔ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر اعمال صالحہ کو حقیر نہ سمجھیں، صرف یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان بڑے نیک کام کریں۔ یہ منفی رویہ شیطان کی چال ہے جس سے مسلمانوں کو بچنا چاہیے۔ ہر نیک عمل اسلام کی تعلیمات کے مطابق اہم ہے۔ مثال کے طور پر صحیح مسلم نمبر 2342 میں موجود ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جو شخص اپنی رضا کے لیے کھجور کا ایک پھل بھی صدقہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پہاڑ کے برابر اجر عطا فرمائے گا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں جو چھوٹے اعمال کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ قرآن کریم نے واضح کر دیا ہے کہ ہر ذرہ برابر نیکی لکھی جائے گی اور اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ باب 99 زلزال، آیت 7:

"پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی وہ اسے دیکھ لے گا۔"

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نقش قدم پر چلیں اور اپنی وسعت کے مطابق دوسروں کی مدد کریں۔ اس وقت اس کے پاس اپنی جسمانی طاقت کے علاوہ عورتوں کو پیش کرنے کے لیے اور کچھ نہیں تھا، اس لیے اس نے اس عمل کو چھوٹا اور حقیر سمجھتے ہوئے اسے نظرانداز کرنے کے بجائے ان کی مدد کے لیے استعمال کیا۔

اس کے علاوہ یہ عظیم واقعہ چھوٹی چھوٹی نیکیوں کی اہمیت کو بھی ثابت کرتا ہے کیونکہ یہ عمل آپ کو حضرت شعیب علیہ السلام سے ملنے اور رہنے کا باعث بنا۔

اس عظیم واقعہ میں دوسری اچھی خصوصیت جس کی نشاندہی کی گئی ہے وہ اخلاص ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت بھی مایوس کن حالت میں تھے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے جو کام کیا تھا، عورتوں سے ادائیگی کی خواہش یا درخواست نہیں کی۔ مسلمانوں کو کبھی بھی دوسروں کے ساتھ کیے گئے احسانات کے بدلے کی خواہش یا واپسی کی درخواست نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ اس سے ان کی بے حسی ثابت ہوتی ہے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل نہیں کیا۔ بے وفائی صرف اس اجر کو ضائع کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا جا سکتا تھا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی اس کا ذکر باب 28 القصص آیت 24 میں ہے:

چنانچہ اُس نے اُن کے لیے پانی پلایا۔ پھر وہ سائے کی طرف واپس گیا اور کہا :اے میرے رب، بے شک میں ہوں، جو بھی بھلائی تو مجھ پر نازل کرے گا وہ محتاج ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا مسلمانوں کو عاجزی کی اہمیت سکھاتی ہے۔ یہ پاکیزہ صفت ایک مسلمان کو اپنے دل سے اور اپنے عمل سے یہ تسلیم کرنے کی اجازت دیتی ہے کہ ان کے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے عطا کی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دعا میں تصدیق فرمائی کہ دنیا و آخرت کی ہر بھلائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی ہے۔ لیکن اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ مخلوق میں کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کی مرضی اور پسند کے بغیر واقع نہیں ہوتی، جس میں مشکلات اور مصائب شامل ہوں، ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرنا حقیقی بندگی کی علامت ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان اچھی چیزوں کا ذکر کیا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے منتخب کیں لیکن اس بڑی مشکل کا ذکر نہیں کیا جو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور انتخاب سے پیش آئی۔ رویے کو شکایت کی ایک قسم کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی ایسا ہی کیا جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف اچھی باتیں منسوب کیں، پھر بھی بیماری کو اپنی طرف منسوب کیا، حالانکہ بیماریاں صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار اور مرضی سے ہوتی ہیں۔ باب 26 شعراء آیت 80:

‘‘اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔’’

یہ رویہ اپنانا ضروری ہے، کیونکہ یہ کسی کی ذہنیت کو منفی کی بجائے مثبت بناتا ہے۔ منفی ذہنیت اختیار کرنے والا ان گنت نعمتوں کا مشاہدہ کرنے کے بجائے صرف ان کے مسائل کا مشاہدہ اور تذکرہ کرتا ہے جو کہ بے صبری اور مزید مشکلات کا باعث بنتے ہیں۔ جبکہ مثبت سوچ رکھنے والا ہر حال میں ان بے شمار نعمتوں کا مشاہدہ اور تذکرہ کرے گا جو صبر و شکر کا باعث بنتی ہیں۔ یہ اس عظیم واقعہ میں حضرت مولیٰ علیہ السلام نے دکھایا ہے۔ یہ مضبوطی سے یقین کرنا ضروری ہے کہ گلاس آدھا بھرا ہوا ہے، آدھا خالی نہیں۔

آخر میں، یہ دعا مسلمانوں کو یہ بھی سکھاتی ہے کہ وہ مخصوص دنیاوی چیزیں مانگنے سے گریز کریں، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی اس کو سمجھے بغیر پریشانی مانگ رہا ہو۔ کسی کو ان کی انتہائی کم نظری اور علم کی کمی کو قبول کرنا چاہیے، خاص طور پر مستقبل کے حوالے سے۔ باب 42 اشوره، آیت 27:

اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے رزق میں فراخی کر دیتا تو وہ زمین پر ظلم کر دیتے، لیکن وہ "جتنا چاہتا ہے نازل کرتا ہے، بیشک وہ اپنے بندوں سے باخبر اور دیکھنے والا ہے۔"

بجائے اس کے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رویہ اختیار کیا جائے اور عمومی طور پر خیر طلب کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ رکھنا چاہیے جو ہر موقع پر ہر شخص کو دینے کے لیے سب سے بہتر ہے۔ اس صحیح رویہ کی طرف باب 2 البقرہ، آیات 200-201 میں بھی اشارہ کیا گیا ہے:

اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں اس دنیا میں دے اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں لیکن ان میں سے وہ ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں اس میں دے دنیا میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا"۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ باب 28 القصص آیت 31 میں مذکور ہے اور اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام شامل ہیں:

" اور]اسے کہا گیا[، "اپنا لاٹھی پھینک دو۔ "لیکن جب اس نے دیکھا کہ یہ سانپ ہے تو وہ بھاگ گیا اور واپس نہیں آیا۔)اللہ نے فرمایا (اے موسیٰ قریب آ اور ڈرو نہیں، بے شک تو امن والوں میں سے ہے۔

یہ عظیم واقعہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ مختلف حالات کا سامنا کرتے وقت حد کے اندر جذباتی ہونا قابل قبول ہے جیسے کہ مشکل وقت میں غمگین ہونا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سانپ سے بھاگ کر معمول کے مطابق ردعمل کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر کوئی تنقید نہیں کی گئی کیونکہ جذبات کا اظہار انسان ہونے کا ایک حصہ ہے۔ جب تک جذبات اسلام کی حدود میں ہیں اس کا ظاہر کرنا مکمل طور پر قابل قبول ہے۔ کوئی بھی مسلمان سے مشکل حالات میں روبوٹ کی طرح کام کرنے کی توقع نہیں رکھتا۔ ہر حال میں ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ توازن برقرار رکھے جس کے ذریعے وہ اسلام کی حدود سے تجاوز کیے بغیر اپنے جذبات کے ذریعے تناؤ کو دور کرے۔ اس کی طرف باب 57 الحدید، آیت 23 میں اشارہ کیا گیا ہے:

" تاکہ تم اس چیز پر مایوس نہ ہو جو تم سے چھوٹ گئی ہے اور جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس پر فخر نہیں کرنا۔ اور اللہ تعالیٰ ہر کسی کو خود فریبی اور تکبر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔‘‘

یہ آیت کسی شخص کو غمگین یا خوش ہونے سے منع نہیں کرتی۔ لیکن یہ کسی کو نصیحت کرتا ہے کہ ان دو جذبات میں حد سے زیادہ نہ ہو، یعنی غم اور خوش ہونا، یہ دونوں گناہوں کا باعث بن سکتے ہیں۔

ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ جب تک وہ ان حدود میں رہیں گے وہ تمام مشکلات سے کامیابی کے ساتھ نکلیں گے، دونوں جہانوں میں اجر وثواب حاصل کریں گے۔ اس کی طرف اشارہ اس عظیم واقعہ کے آخر میں کیا گیا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اس کی اطاعت کرنے والے کو حفاظت عطا فرمائی۔ یہ حفاظت کسی مسلمان پر قلیل مدت میں ظاہر نہ ہو لیکن آخرکار اس دنیا میں یا آخرت میں ان پر ظاہر ہو جائے گی۔ کلید یہ ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھا جائے، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے طریقوں سے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ ، السلام علیکم

فرعون کے خلاف دعا

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی اس کا ذکر باب 10 یونس، آیات 88-89 میں کیا گیا ہے:

اے ہمارے رب، ان کے مال مٹا دے اور ان کے دلوں کو سخت کردے کہ وہ ایمان نہ لائیں جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری دعا قبول ہوئی، لہٰذا تم سیدھے راستے پر رہو اور ان لوگوں کے راستے پر نہ چلو جو نہیں جانتے۔ ”

یہ عظیم واقعہ مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ اگرچہ دولت اور اختیار اسلام میں ممنوع نہیں ہے، جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے حاصل کیے جائیں اور استعمال کیے جائیں، لیکن جب وہ نہیں ہوتے تو وہ ہمیشہ اپنے مالک اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2376 کی حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ دولت اور اقتدار حاصل کرنے کی خواہش انسان کے ایمان کے لیے دو بھوکوں کی ہلاکت سے زیادہ تباہ کن ہے۔ بھیڑیے جنہیں بھیڑوں کے ریوڑ پر آزاد کر دیا گیا ہے۔ دولت اور اختیار کے حصول کی کم سے کم حد یہ ہے کہ وہ کسی کو اللہ تعالیٰ، یا مخلوق کی طرف اپنے واجبات کی ادائیگی سے کبھی نہ روکیں اور نہ ہی اسے ظلم جیسے گناہوں کی ترغیب دیں۔ چونکہ ان دونوں چیزوں کو اپنی ضروریات سے باہر حاصل کرنا ان حدود میں حاصل کرنا انتہائی مشکل ہے، اس لیے ایک مسلمان کے لیے یہ زیادہ محفوظ ہے کہ وہ صرف وہی چیز تلاش کرے جو ان کی ضروریات اور ان کے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرے۔ جو شخص ان دونوں چیزوں میں حد سے تجاوز کرتا ہے اسے ان نعمتوں کے ضائع ہونے اور اپنے روحانی دل کو خراب کرنے سے آگاہ ہونا چاہئے تاکہ یہ سخت ہوجائے۔ اس عظیم واقعہ میں یہ تنبیہ کی گئی ہے۔ یہ روحانی قلب قیامت کے دن محفوظ نہیں رہے گا کیونکہ یہ اندھیروں کی وجہ سے حقیقی ہدایت سے اندھا ہو چکا ہے جس نے اسے گھیر رکھا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4244 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دعا کا جواب مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا مقابلہ روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس اطاعت کے بغیر صرف دعا ہی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ دعا کامیاب دعا کے آداب اور شرائط کے منافی ہے۔

آخر میں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب، مسلمانوں کو خبردار کرتا ہے کہ وہ دعا نہ کریں اور پھر فوری جواب کی توقع رکھیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ، جب اپنے بندے کے لیے بہتر ہوتا ہے، جواب دیتا ہے۔ جو اس رویہ کی وجہ سے دعا کرنا چھوڑ دیتا ہے اس کی دعا پوری نہیں ہوتی۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3387 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سمندر

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی اس کا تذکرہ باب 26 شعراء آیت 62-63 میں کیا گیا ہے:

]موسیٰ [نے کہا، "نہیں، میرے ساتھ میرا رب ہے، وہ میری رہنمائی کرے گا۔ "پھر ہم نے موسیٰ " کی طرف وحی کی کہ سمندر پر اپنی لاٹھی مارو تو وہ پھٹ گیا اور ہر حصہ ایک بلند و بالا پہاڑ کی طرح ہو گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بحر احمر کو جدا کرنے کا معجزہ بہت مشہور ہے۔ یہ عظیم واقعہ مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ جب بھی ان پر کوئی مشکل پیش آئے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے، اس بھروسے کے ساتھ کہ وہ انہیں اس سے نکلنے کا راستہ فراہم کرے گا، چاہے اس وقت یہ ناممکن ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ اس نے کیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت کے لیے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

‘‘اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔’’

ایک مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے، چاہے اس کے احکام کے پیچھے حکمتیں ظاہر نہ ہوں۔ یہ ایک شخص کا ردعمل ہے جو یا تو برکت کا باعث بنتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے غضب کا۔ کسی کو صرف اپنی زندگی میں ان بے شمار مثالوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے جہاں وہ سمجھتے تھے کہ کچھ برا تھا صرف بعد میں اپنا خیال بدلنے کے لیے اور اس کے برعکس۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

یہ بالکل ایسا ہی ہے جب کوئی شخص ڈاکٹر کی تجویز کردہ کڑوی دوا لیتا ہے۔ دوائی کڑوی ہونے کے باوجود وہ اس یقین سے کھاتے ہیں کہ اس سے ان کو فائدہ ہوگا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک مسلمان ایسے ڈاکٹر پر کیسے بھروسہ کر سکتا ہے جس کا علم محدود ہے اور جسے قطعی طور پر یقین نہیں ہے کہ کڑوی دوا انہیں فائدہ دے گی اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے میں ناکام رہے گا، جس کا علم لامحدود ہے اور جب وہ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین فیصلہ کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو خواہش مند سوچ اور اللہ تعالیٰ پر توکل کے درمیان فرق کو سمجھنا چاہیے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتا اور پھر اس سے مشکلات میں ان کی مدد کی امید رکھتا ہے وہ ایک خواہش مند مفکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے والا وہ ہے جس کی طرف اس عظیم واقعہ میں اشارہ کیا گیا ہے، وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خلوص نیت سے کوشش کرے، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کرتا ہے اور پھر اپنے انتخاب پر شکایت یا سوال کیے بغیر اپنے فیصلے پر بھروسہ کرتا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شکرگزاری

:اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی، باب 2 البقرہ، آیت 61 میں مذکور ہے

اور یاد کرو جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم کبھی ایک کھانے کو برداشت نہیں کر سکتے تو ’’ اپنے رب سے دعا کرو کہ ہمارے لیے زمین سے اس کی سبز جڑی بوٹیاں اور اس کے کھیرے اور اس کا لہسن اور اس کی دالیں نکالے۔ اس کی پیاز۔ "موسیٰ نے کہا کیا تم اس چیز کو کم سے بہتر کے بدلے دو گے؟ اور ان پر ذلت اور غربت چھا گئی اور اللہ کی طرف سے غضب کے ساتھ واپس آئے۔

ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ دیا گیا ہے اس کی قدر کرنے اور شکرگزاری سے کبھی بھی پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح آج بہت سے مسلمان اپنے پاس جو کچھ رکھتے ہیں اسے اس سے کمتر سمجھتے ہیں جو وہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ وہ کسی اور چیز کی خواہش کے لیے واضح طور پر غلط تھے، اسی طرح آج کے مسلمان بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ روایت ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے اور یہ ان پر منحصر ہے کہ وہ یا تو سچے شکر کے ذریعے اپنی نعمتوں میں اضافہ کریں یا ناشکری کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دیں۔ مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ انتہائی کم نظر ہیں اور اپنی خواہشات کے انجام کو نہیں سمجھتے جبکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی تفصیلات کو جانتا ہے، بشمول ہر فیصلے کا بہترین نتیجہ کیا ہے۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کئی بار یہ مانتے ہیں کہ کوئی چیز اچھی ہے جب وہ حقیقت میں بری تھی اور :اس کے برعکس۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز "پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

لہٰذا مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی انتخاب ہوتا ہے اس پر صبر کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو بھی چاہیے کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت کو جو جامع ترمذی نمبر 2513 میں موجود ہے، ان لوگوں کا مشاہدہ کرے جن کے پاس ان سے کم نعمتیں ہیں، بجائے اس کے کہ جن کے پاس زیادہ ہے ان کا مشاہدہ کرے۔ یہ ناشکری بننے سے روکے گا۔

سچی شکرگزاری اس وقت دل سے ظاہر ہوتی ہے جب کوئی یہ تسلیم کرتا ہے کہ نعمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے اور اس میں صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرنا شامل ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اچھی بات کہنے یا خاموش رہنے اور برکات کو صحیح طریقے سے استعمال کر کے اعمال کے ذریعے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس سے برکتوں میں اضافہ ہوگا۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

" اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

زندگی کو مشکل بنانا

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی اس کا ذکر باب 2 البقرہ، آیات 68-71 میں ہے:

انہوں نے کہا، "اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہم پر واضح کر دے کہ یہ کیا ہے "...اب تم حق " لے کر آئے ہو، تو انہوں نے اسے ذبح کر دیا، لیکن وہ اسے مشکل سے کر سکے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے بہت زیادہ غیر ضروری سوالات کیے جس کی وجہ سے ان کے لیے مزید مشکلات پیدا ہوئیں۔ مسلمانوں کو اس ذہنیت کو نہیں اپنانا چاہئے کیونکہ جن لوگوں کو بہت زیادہ سوالات کرنے کی عادت ہوتی ہے وہ اکثر اپنے فرائض کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں اور فائدہ مند علم حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں کیونکہ وہ کم اہم اور بعض اوقات غیر متعلقہ معلومات کے بارے میں پوچھنے اور تحقیق کرنے میں بہت زیادہ مصروف رہتے ہیں۔ یہ ذہنیت کسی کو اس قسم کے مسائل پر بحث اور بحث کرنے کی ترغیب دے سکتی ہے۔ بدقسمتی سے آج مسلمانوں میں یہ رویہ کافی پھیل چکا ہے، کیونکہ وہ اکثر اپنے فرائض کی ادائیگی پر توجہ دینے کے بجائے غیر واجب اور کم اہم مسائل پر بحث کرتے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قائم کردہ روایات، صحیح معنی میں۔ ان کو ان کے مکمل آداب اور شرائط کے ساتھ پورا کرنا۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ایسے موضوعات پر تحقیق اور استفسار کرے جو دنیوی اور دینی دونوں معاملات کے لیے متعلقہ اور سمجھنے کے لیے ضروری ہیں، ورنہ وہ اس عظیم واقعہ میں بیان کیے گئے لوگوں کے نقش قدم پر چلیں گے اور اپنی زندگی کو مزید مشکل میں ڈال دیں گے۔ کسی کے عقیدے کے حوالے سے صرف وہی علم ہے جو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پوچھے گا۔ قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں اس کا واضح طور پر ذکر اور بحث کیا گیا ہے۔ باقی تمام علم کے بارے میں قیامت کے دن سوال نہیں کیا جائے گا اور اس لیے اسے نظر انداز کر دینا چاہیے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم حاصل کرتے ہیں۔

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی اس کا ذکر باب 18 الکہف آیت 60 میں ہے:

اور جب موسیٰ نے اپنے لڑکے)یعنی خادم (سے کہا کہ میں اس وقت تک سفر نہیں چھوڑوں گا ’’ جب تک کہ میں دو سمندروں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں یا زیادہ دیر تک چلتا رہوں۔‘‘

ایک مسلمان کو کبھی بھی یہ یقین نہیں کرنا چاہئے کہ وہ بہت زیادہ علم رکھتے ہیں لہذا انہیں زیادہ تلاش کرنے یا حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ، انہیں کسی سے مفید علم حاصل کرنے میں کبھی بھی شرم محسوس نہیں کرنی چاہیے، خواہ ان کی عمر، سماجی حیثیت یا کسی بھی چیز سے قطع نظر۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اعلیٰ درجے کے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ہیں، پھر بھی آپ نے کسی ایسے شخص سے سیکھنے کے لیے سفر کیا جو اپنے سے کم درجے کے مالک تھے۔ ایک شخص جو حق کو اس لیے رد کرتا ہے جب وہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ علم دینے والے سے برتر ہیں، اس نے واضح طور پر تکبر کو اختیار کیا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ درحقیقت یہی حدیث متنبہ کرتی ہے کہ ایک ذرہ برابر تکبر کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔

بدقسمتی سے، یہ رویہ اس دن اور عمر میں عام طور پر دیکھا جاتا ہے، کیونکہ مسلمان اکثر اپنے سے چھوٹے لوگوں کی طرف سے دیے گئے مشوروں اور علم کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ اکثر والدین میں دیکھا جاتا ہے جو اپنے بچوں کی نصیحت کو مسترد کرتے ہیں، یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ والدین ہمیشہ بہتر جانتے ہیں۔ جیسا کہ اس عظیم واقعہ سے ثابت ہے کہ انسان کو کسی سے سچائی کو قبول کرنے میں کبھی شرمندہ یا شرمندہ نہیں ہونا چاہئے، خواہ اس حقیقت کا تعلق دنیاوی یا دینی معاملات سے ہو۔

سادہ لفظوں میں جو مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ اسے دوسروں سے علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ واقعی جاہل ہے، خواہ وہ بہت زیادہ علم رکھتا ہو۔ جبکہ وہ شخص جس کے پاس بہت کم علم ہے جس پر وہ عمل کرتے ہیں اور وہ ہمیشہ کسی سے زیادہ فائدہ مند علم حاصل کرنے کے لیے تیار رہتا ہے، وہ حقیقی معنوں میں علم والا ہے۔

آخر میں، ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ عمل کے بغیر علم ہرگز فائدہ مند نہیں ہے۔ انسان کو دونوں جہانوں میں فائدہ تب ہی ملے گا جب وہ مفید علم حاصل کرے اور پھر اس پر عمل کرے۔

جہاں عظمت مضمر ہے۔

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی اس کا ذکر باب 2 البقرہ آیت 247 میں ہے:

اور ان کے نبی نے ان سے کہا، "بے شک اللہ نے ساؤل کو تمہارے پاس بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔ "" انہوں نے کہا کہ وہ ہم پر بادشاہی کیسے کر سکتا ہے جب کہ ہم اس سے زیادہ بادشاہی کے لائق ہیں اور اس کو مال کا کوئی پیمانہ نہیں دیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" :بے شک اللہ تعالیٰ نے اسے تم پر برگزیدہ کیا ہے اور اس کے علم و قد میں بہت زیادہ اضافہ کیا ہے۔

یہ عظیم واقعہ مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ عظمت اور حقیقی کامیابی کا تعلق دنیاوی چیزوں جیسے دولت یا شہرت سے نہیں ہے۔ ان چیزوں کے ذریعے انسان کو کچھ دنیوی کامیابی مل سکتی ہے لیکن تاریخ کے اوراق پلٹیں تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس قسم کی کامیابی بہت عارضی ہوتی ہے اور آخرکار انسان کے لیے بوجھ اور ندامت بن جاتی ہے۔ ایک مسلمان کو ہرگز یہ نہیں ماننا چاہیے کہ برتری ان چیزوں میں پنہاں ہے اور اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے لیے اپنے فرائض سے غفلت برتتے ہوئے انہیں حاصل کرنے کے لیے خود کو وقف کر دیتا ہے۔ اور نہ ہی انہیں دوسروں کو حقیر نظر سے دیکھنا چاہئے جو یہ دنیاوی چیزیں نہیں رکھتے، یہ سمجھتے ہوئے کہ ان کی کوئی قدر و اہمیت نہیں ہے، کیونکہ یہ رویہ اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 6071 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت فرمائی ہے کہ اہل جنت وہ ہیں جنہیں معاشرہ حقیر سمجھتا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اگر انہوں نے حلف اٹھایا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ان کے لیے پورا کرے گا۔

دنیا اور آخرت میں حقیقی عزت، کامیابی اور عظمت صرف تقویٰ میں ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرنے کی جس قدر خلوص نیت سے کوشش کی جائے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کیا جائے، وہ اتنا ہی بڑا ہوتا ہے، خواہ وہ کیوں نہ ہوں۔ معاشرے کے لیے غیر معمولی دکھائی دیتے ہیں۔ باب 49 الحجرات آیت 13:

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ ’’ پرہیزگار ہے‘‘۔

اس دنیا میں حقیقی کامیابی کی نشانی جو صرف تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے، ذہنی اور جسمانی سکون ہے۔ یہ حقیقی کامیابی ہے کیونکہ ہر شخص چاہے اس کے پاس کچھ بھی ہو، اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ " زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

لیکن اگر کوئی غلط جگہ پر ذہنی سکون حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، جیسے کہ دولت اور شہرت کے ذریعے اسے حاصل کرنا، تو وہ اس سے آگے بڑھے گا۔ باب 20 طہٰ، آیت 124:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے " قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ اس میں حقیقی کامیابی تلاش کرے اور دنیاوی چیزوں میں اس کی تلاش میں اپنا وقت اور محنت ضائع نہ کرے، ورنہ وہ آخرت میں بڑے خسارے میں پہنچ سکتے ہیں۔ باب 18 الکہف، آیات 103-104:

کہہ دیجئے کہ کیا ہم تمہیں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والوں کے بارے میں بتائیں گے؟”

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی اس کا تذکرہ باب 27 عن نمل، آیت 19 میں کیا گیا ہے:

تو)سلیمان (اس کی بات پر خوش ہو کر مسکرائے اور کہنے لگے :اے میرے رب، مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی ہیں اور وہ نیکی کرنے کی توفیق عطا فرما جو تجھے پسند ہے۔ اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے "نیک بندوں میں داخل فرما۔

اس عظیم واقعہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اسے سچا شکر گزار بندہ بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ ان بلند ترین سطحوں میں سے ایک ہے جس تک کوئی شخص پہنچ سکتا ہے اور قرآن پاک کے مطابق یہ ایک بہت ہی نایاب اسٹیشن ہے۔ باب 34 سبا، آیت 13:

‘‘اور میرے بندوں میں سے بہت کم شکر گزار ہیں۔’’

اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے ہونے کی وجہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اس قدر کوشش کی کہ آپ کے پاؤں سوج گئے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6471 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس دعا کا اگلا حصہ مسلمانوں کو صحیح معنوں میں شکر گزار ہونے کا طریقہ سکھاتا ہے۔ زبان جیسی ہر نعمت کو اس طرح استعمال کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہو، یعنی قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق۔ اسے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محض تعریفی کلمات ادا کرنا حقیقی شکرگزاری نہیں ہے۔

جب بھی انسان کو کوئی مشکل پیش آتی ہے اور وہ نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے تو اسے صبر اور شکر کرنے کے لیے ان بے شمار نعمتوں کو یاد رکھنا چاہیے جو اس کے پاس موجود ہیں۔

وہ راستبازی جسے اللہ تعالیٰ نے منظور کیا ہے، جس کا ذکر اس دعا میں کیا گیا ہے، اس سے مراد قرآن مجید کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کرنا ہے۔ ہر وہ چیز جس کی جڑیں ان دو ذرائع ہدایت میں نہ ہوں وہ ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

" کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

آخر میں اس دعا کے آخر میں صحبت کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ اگر کوئی اگلے جہان میں صالحین کی صحبت چاہتا ہے تو ان کا ساتھ دینا چاہیے اور اس دنیا میں ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔ یہ صالحین سے محبت کا ثبوت ہے اور یہی اس بات کا ثبوت ہے جس کی طرف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 3688 میں موجود ایک حدیث میں فرمایا جب آپ نے اعلان کیا کہ لوگ ان کے ساتھ ہوں گے۔ اگلی دنیا میں محبت . اگر کوئی اس ثبوت کے بغیر محض محبت کا دعویٰ کرے تو وہ اگلے جہان میں صالحین کے ساتھ نہیں جائے گا۔ یہ ظاہر ہے کہ دوسری قومیں بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتی ہیں لیکن وہ ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام ہونے کی وجہ سے آخرت میں ان کے ساتھ نہیں جائیں گی۔ ایک مسلمان کو خود کو بے وقوف نہیں بنانا چاہیے کہ دوسری صورت میں یقین کریں۔

سچی برکات

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ باب 27 عن نمل، آیت 36 میں پایا جاتا ہے:

پھر جب وہ سلیمان کے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ کیا تم مجھے مال دیتے ہو لیکن جو کچھ اللہ نے مجھے دیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے بلکہ تم ہی ہو جو اپنے تحفے پر خوش ہوتے ہو۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب ایک ملکہ، جسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایمان لانے کی دعوت دی تھی، اس کے کردار کو جانچنے کے لیے اسے دنیاوی تحفے بھیجے۔ مسلمانوں کو دنیاوی نعمتوں کی خاطر اپنے ایمان پر سمجھوتہ نہ کرنے کی اہمیت کو سمجھنا چاہیے۔ ایسا کرنے سے وہ جو کچھ حاصل کریں گے وہ آخرکار دونوں جہانوں میں ان کے لیے بوجھ اور لعنت بن جائے گا۔ باب 20 طہٰ، آیت 124:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

اس کے بجائے انہیں اپنے ایمان اور اقدار پر ثابت قدم رہ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو انہیں وہی دائمی کامیابی ملے گی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ " زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس سے جڑی نعمتوں میں کوشش کرنا دنیاوی نعمتوں سے ہمیشہ بڑھ کر رہے گا۔ درحقیقت حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ کے تحفوں کو رد کرتے وقت یہی اشارہ فرمایا تھا۔ دینی نعمتیں ہمیشہ بے عیب اور پائیدار ہوتی ہیں جب کہ دنیاوی نعمتوں کے ساتھ ہمیشہ کسی نہ کسی قسم کی دشواری جڑی رہتی ہے اور وہ عارضی بھی ہوتی ہیں۔ باب 16 النحل، آیت 96:

"تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ ختم ہو جائے گا، لیکن جو اللہ کے پاس ہے وہ پائیدار ہے۔"

جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے بچتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، تو یہ یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرے گا جو اسے دی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے طریقوں سے۔ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ پھر انہیں وہ چیز عطا فرماتا ہے جس سے پوری بنی نوع انسان خواہ ان کا کوئی بھی عقیدہ ہو، اطمینان اور ذہنی سکون کے لیے شب و روز کوشش کرتی ہے۔ یہ تمام لوگوں کا حتمی مقصد ہے، چاہے ان کے چھوٹے مقاصد اور اہداف ہوں، جیسے کہ دنیا کا سفر کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2373 کی حدیث میں یہ نصیحت فرمائی کہ حقیقی دولت مال سے نہیں بلکہ زندگی پر قناعت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے امیر لوگوں کو ذہنی سکون کیوں نہیں ملتا اور ایک غریب مسلمان جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوشش کرتا ہے وہ کیوں کرتا ہے۔ باب 13 الرعد، آیت 28:

’’بلاشبہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔‘‘

ضرورت سے زیادہ اجتناب کرتے ہوئے حلال مال کی تلاش میں کوئی حرج نہیں لیکن مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے حقیقی سکون کو مال یا دوسری دنیاوی چیزوں سے نہیں رکھا۔

حضور یونس علیہ السلام اور وہیل

:اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی باب 37 صفات، آیت 142 میں بحث کی گئی ہے

"...پھر مچھلی نے اسے نگل لیا"

یہ واقعہ حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں بیان کرتا ہے جب آپ کو اللہ تعالیٰ کی پیشگی اجازت کے بغیر اپنی برادری سے نکلنے کے بعد وہیل مچھلی نے نگل لیا۔ درحقیقت بہت سے مسلمانوں کا حال حضرت یونس علیہ السلام سے ملتا جلتا ہے، جیسا کہ وہ اپنی خواہشات اور اس مادی دنیا کی محبت میں نگل گئے اور پھنس چکے ہیں، جس کی وجہ سے وہ آخرت کی تیاری سے غافل ہو کر رہ گئے ہیں۔ بہت سے دماغی امراض، جیسے ڈپریشن۔ ان سے بچنے کا واحد راستہ ہر چیز کو اس کی صحیح جگہ پر رکھنا ہے۔ انسان کو مادی دنیا کو چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے جو ترجیحی ترتیب مقرر کی ہے اس کے مطابق چیزوں کو ترجیح دے۔ مسلمان صرف دنیاوی چیزوں میں پھنستے اور مشغول ہوتے ہیں کیونکہ وہ اس ترجیحی ترتیب کو دوبارہ ترتیب دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر، کچھ والدین اپنی تمام خواہشات کو پورا کر کے اپنے بچوں کی پرورش کے سلسلے میں حد سے بڑھ جاتے ہیں، چاہے اس کا مطلب یہ ہو کہ وہ غیر قانونی استعمال کرتے ہیں۔ جب کوئی اس طرح عمل کرتا ہے تو یہ رشتہ انہیں پھنسائے گا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل کرنے سے روک دے گا۔ یہ تب بھی ہو گا جب وہ اپنی فرض نمازیں ادا کریں، جیسا کہ اسلام اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت، دن میں صرف ایک یا دو گھنٹے تک نہیں بلکہ زندگی کے تمام پہلوؤں تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور نبی پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس قسم کے انتہائی رویے سے صرف اسی صورت میں بچا جا سکتا ہے جب وہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھیں اور اس پر عمل کریں، کیونکہ ان آسمانی تعلیمات کا اصل مقصد مسلمانوں کی رہنمائی کرنا ہے کہ وہ اپنی تنظیم کو منظم اور ترجیح دیں۔ دنیوی اور دینی زندگیاں صحیح طریقے سے تاکہ وہ مطمئن اور خوش رہتے ہوئے دونوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کریں۔ اس سے روگردانی کرنے والا یہ پائے گا کہ وہ ایک کے بعد ایک خواہشات کے شکنجے میں پھنستے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ اپنی

زندگی سے مطمئن اور ناخوش ہوتے ہوئے اس دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ باب 20 طٰہٰ، آیات 124-126:

اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے " قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ "وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں دیکھ رہا تھا؟)اللہ (فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج کے دن تجھے بھلا دیا جائے گا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی اس کا ذکر باب 19 مریم، آیات 4-6 میں کیا گیا ہے:

" اس نے کہا اے میرے رب، بے شک میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور میرا سر سفیدی سے بھر گیا ہے، اور میں کبھی تجھ سے فریاد کرنے میں نہیں تھا، اے میرے رب، ناخوش]یعنی مایوس[، اور بیشک میں جانشینوں سے ڈرتا ہوں۔ میرے بعد، اور میری بیوی بانجھ ہے، تو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما جو میرا وارث ہو اور یعقوب کے خاندان کا وارث ہو اور اسے خوش کرنے والا بنا۔"

حضرت زکریا علیہ السلام کی یہ دعا مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے کچھ آداب سکھاتی ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی فطری کمزوری کو پہچانے اور اسے عمل اور قول سے ظاہر کرے جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے کیا تھا۔ یہ عاجزی کا ایک پہلو ہے جس سے دعا کے قبول ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ شکر گزاری کے ایک اہم پہلو کو پورا کرنا چاہیے جو کہ دعا کے دوران اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کرنا ہے جو کہ نعمتوں میں اضافے کا باعث بنتا ہے جب اس کی تائید کسی کے اعمال میں شکر کی تائید ہوتی ہے۔ اعمال میں شکر ادا کرنے میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

" اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

اگر چہ حلال دنیاوی چیزیں مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن کسی مسلمان کو اس بات پر یقین نہیں لانا چاہیے کہ یہ وہی ہے جو حضرت زکریا علیہ السلام نے کیا تھا۔ اس نے دنیاوی وجوہات کی بنا پر کسی بچے کے لیے دعا نہیں کی، جو مسلمانوں کی اکثریت کرتی ہے۔ اس کے بجائے اس نے ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی درخواست کی جو اللہ تعالیٰ کے کلام کو پھیلانے میں اپنا مشن جاری رکھے۔ اس لیے اس نے دنیاوی چیز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے دینی نعمت کی درخواست کی۔ اس دعا میں جو وراثت کا ذکر ہے اس سے مراد اس دینی مشن کی طرف ہے نہ کہ دنیاوی چیزوں سے، جیسا کہ انبیاء کرام علیہم السلام مال کو وراثت کے طور پر نہیں چھوڑتے، بلکہ وہ صرف علم چھوڑتے ہیں۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 223 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

یہ عظیم واقعہ مسلمانوں کو یہ بھی سکھاتا ہے کہ وہ اپنی نیت کو درست کریں، ان کی خواہشات کا تعلق صرف مادی دنیا سے نہیں بلکہ آخرت سے ہونا چاہیے۔ مثال کے طور پر، ایک شادی شدہ جوڑے کو اس مقصد کے لیے اولاد کی خواہش کرنی چاہیے کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندوں کی تعداد میں اضافہ ہو، نہ کہ دنیاوی وجوہات کی بنا پر۔ یہ تب ہی حاصل ہوتا ہے جب کوئی اپنے بچوں کی پرورش اسلام کی تعلیمات کے مطابق کرے۔ لیکن یہ صرف والدین کے لیے ممکن ہے جب وہ خود اسلامی علم سیکھیں اور اس پر عمل کریں۔ ایک مسلمان جو مذہبی چیزوں کی خواہش رکھتا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے کرتا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ان کو یہ چیز نہ دینے کا انتخاب کرے تو انہیں صبر کے ساتھ اس کے انتخاب کو قبول کرنا چاہیے کیونکہ یہی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صفات

:اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی اس کا ذکر باب 19 مریم، آیات 12-14 میں ہے

]اللہ نے فرمایا[، "اے یحییٰ، صحیفہ کو پختہ ارادہ کے ساتھ پکڑو۔ "اور ہم نے اسے لڑکا ہی " فیصلہ دیا تھا۔ اور ہماری طرف سے محبت اور پاکیزگی، اور وہ اللہ سے ڈرتا تھا۔ اور اپنے ماں "باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا، اور وہ نافرمان ظالم نہیں تھا۔

حضرت یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چند صفات بیان کی جاتی ہیں، جنہیں اپنانے کی مسلمانوں کو کوشش کرنی چاہیے۔ مسلمانوں کے لیے مفید علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے، کیونکہ یہی حقیقی حکمت اور عمدہ فیصلہ ہے۔ ایک عقلمند شخص اپنے علم کو استعمال کرتا ہے تاکہ اس سے ان کو اور دونوں جہانوں میں دوسروں کو فائدہ پہنچے۔ علم بذات خود یہ نتیجہ حاصل نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو بہت زیادہ دنیوی اور دینی علم رکھتے ہیں لیکن اپنے علم کو صحیح طریقے سے استعمال نہ کرنے کی وجہ سے گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس کے حصول کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ علم حاصل کیا جائے اور اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل میں لایا جائے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم :جیسی حکمت کسی کو نہیں دی گئی۔ باب 62 الجمعہ، آیت 2

وہی ہے جس نے ان پڑھوں]عربوں [میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیات " پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب]یعنی قرآن [اور حکمت]یعنی سنت ["سکھاتا ہے، حالانکہ وہ اس سے پہلے ان میں سے تھے۔ واضح غلطی۔

مسلمانوں کو اپنے روحانی دلوں کو پاک کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ یہ ان کے جسموں کی تطہیر کا باعث بنے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 4094 میں موجود ایک حدیث سے

ہوئی ہے۔ اس کو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ اپنے منفی خصلتوں کو اچھے سے بدل دیں۔ اس سے دل اور جسم کی صفائی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اس کے احکام کو پورا کرنے کی کوشش کرے گا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرے گا۔

والدین کا احترام اور فرض شناس ہونا ضروری ہے۔ جب تک ان کی خواہشات اسلام کی تعلیمات سے متصادم نہ ہوں، ایک مسلمان کو ان کی تکمیل اور ان پر رحم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، جس طرح وہ بچپن میں اپنے بچے پر رحم کرتے تھے۔ بچے کو اپنے والدین سے اختلاف کرنے کی اجازت ہے لیکن احترام کو ہر وقت برقرار رکھا جانا چاہیے۔ سیدھے الفاظ میں، اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو اپنے والدین کی عزت کرنے کا حکم دیا ہے، چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوں، تو کیا کوئی سوچ سکتا ہے کہ مسلمان والدین کی کتنی عزت کی ضرورت ہے؟ صحیح بخاری نمبر 5979 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ظالم جیسا سلوک نہیں کرنا چاہیے۔ نہ ہی دوسروں پر ظلم کر کے اور نہ ہی اپنے پاس موجود نعمتوں کو غلط طریقے سے استعمال کر کے۔ اگر وہ سچے دل سے توبہ کرنے میں ناکام رہے تو ظلم صرف ایک عظیم دن پر سخت عذاب کا باعث بنے گا۔ باب 20 طہٰ، آیت 111:

"اور وہ ناکام ہو گا جو ناانصافی کرتا ہے۔..."

وحی الٰہی

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ ہے الہامی وحی جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی، یعنی قرآن کریم۔ باب 25 الفرقان، آیت 32:

اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر قرآن ایک ساتھ کیوں نازل نہیں ہوا؟ اس طرح ہم اس سے آپ کے دل کو مضبوط کریں۔ اور ہم نے اسے الگ الگ کر دیا ہے۔"

جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن مجید مرحلہ وار نازل ہوا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو وقت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں قدم بہ قدم اور باقاعدگی سے اضافہ کرنا چاہیے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ ان سے توقع نہیں کی جاتی کہ وہ راتوں رات مقدس بن جائیں گے۔ اس سے وہ آرام سے اسلامی علم حاصل کر سکیں گے اور اس پر عمل کر سکیں گے اور دن بھر اپنے تمام دیگر فرائض کو پورا کر سکیں گے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کو قرآن پاک کے تینوں پہلوؤں کو پورا کرنا چاہیے اگر وہ اس سے صحیح رہنمائی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ اگلا پہلو یہ ہے کہ معتبر ذریعہ سے اس کا مطالعہ کرکے اس کے معنی کو سمجھیں اور آخری مرحلہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کیا جائے ۔ بدقسمتی سے بہت سے مسلمان نچلی سطح پر رہنے پر قناعت کرتے ہیں اور صرف تلاوت کرتے ہیں۔ اس سے قرآن پاک کے اصل مقصد کی نفی ہو جاتی ہے کیونکہ یہ کتاب ہدایت ہے نہ کہ تلاوت کی کتاب۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت صرف اس کے احکام کی تعمیل کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور اس کے مطالعہ اور اس پر عمل کرنے سے ہی تقدیر کا مقابلہ کرنے سے ہی بڑھ سکتی ہے۔ صرف اس کی تلاوت کرنے سے یہ اہم مقصد حاصل نہیں ہوگا، خاص طور پر جب زیادہ تر مسلمان عربی زبان نہیں سمجھتے۔

آخر میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ قرآن پاک اگرچہ دنیاوی مسائل کا علاج ہے لیکن مسلمان کو صرف اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی قرآن مجید کو صرف اس لیے نہیں پڑھنا چاہیے کہ وہ اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے اس کی تلاوت کریں، قرآن مجید کو ایک آلے کی طرح سمجھیں جو مشکل کے وقت ہٹا کر دوبارہ ٹول باکس میں رکھ دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا بنیادی کام آخرت کی صحیح رہنمائی کرنا ہے۔ اس اہم کام کو نظر انداز کرنا اور اسے صرف اپنے دنیوی مسائل کے حل کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے طرز عمل کے خلاف ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو بہت سے مختلف لوازمات کے ساتھ کار خریدتا ہے لیکن اس کے پاس کوئی انجن نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص محض بے وقوف ہے۔

آسمانی سفر

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ ہے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آسمانی سفر، جس کا ذکر باب 17 الاسراء آیت 1 میں ہے:

’’ پاک ہے وہ جو اپنے بندے)یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم (کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے گردونواح میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ اسے اپنی نشانیاں دکھائیں۔ ...”

اس پر اسلام کی تعلیمات کے اندر وسیع بحث کی گئی ہے اور اس سے بہت سے اسباق سیکھے جا سکتے ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے مسائل کے حل اور مشکلات سے نکلنے کا راستہ دینے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر کبھی شک نہیں کرنا چاہیے۔ یہ آسمانی سفر بظاہر ناممکن لگتا ہے، پھر بھی ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی لامحدود طاقت سے باہر کوئی چیز نہیں۔ تمام مشکلات سے نکلنے کی شرط اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت ہے، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا ہے۔ اسے باب 65 میں طلاق، آیت 2:

‘‘اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا’’

اگلی اہم بات یہ ہے کہ یہ عظیم واقعہ اور شروع میں نقل کی گئی آیت اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ انسان کس بلند ترین مقام پر پہنچ سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا ایک مخلص بندہ۔ اگر اس سے بڑا کوئی درجہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع فرماتے۔ اس کی طرف بہت سی احادیث میں اشارہ کیا گیا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 851 میں موجود ہے، جہاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رسالت کا اعلان

کرنے سے پہلے اپنے آپ کو اللہ کا بندہ کہا ہے۔ یہ تمام مسلمانوں کے لیے ایک واضح سبق ہے کہ اگر وہ آخری کامیابی اور دونوں جہانوں میں اعلیٰ مقام چاہتے ہیں تو انہیں اللہ تعالیٰ کے سچے بندے بننا چاہیے۔ یہ اللہ کے سب سے بڑے بندے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ بندگی کا حصول کسی اور طریقے سے ممکن نہیں۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

"کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

جامع ترمذی میں موجود حدیث نمبر 213 میں آسمانی سفر کے ایک خاص حصے پر بحث کی گئی ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پانچ وقت کی فرض نمازیں عطا کی گئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ واحد فرض تھا جو اس طرح ادا کیا گیا تھا جب کہ باقی سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے تھے جب کہ آپ زمین پر تھے، فرض نمازوں کے قیام کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس مخصوص حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں پچاس فرض نمازوں کا حکم دیا گیا تھا اور آہستہ آہستہ ان میں کمی کی گئی جب تک کہ پانچ باقی نہ رہیں۔ اگر ایک مسلمان کو روزانہ پچاس فرض نمازیں پڑھنی پڑیں تو یہ اسے کسی اور کام سے روکے گا۔ اس سے فرض نمازوں کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ یہ مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ فرض نمازیں ان کی زندگی کا مرکز ہونی چاہئیں۔ اپنی زندگی کو فرض نمازوں کے گرد ڈھالنا چاہیے نہ کہ اپنے فرائض کو اپنی زندگی کے گرد ڈھالنا چاہیے۔

اس کے علاوہ، فرض نمازیں اس بات کی طرف اشارہ ہیں کہ مادی دنیا سے لاتعلق رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کس طرح تعلق رکھنا چاہیے۔ نماز پڑھنے والے مسلمان کو نماز کے دوران بات کرنے، کھانے یا دیگر عام حلال کام کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ اس بات کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے رابطہ قائم کیا جائے۔ ابتدائی طور پر روزانہ پچاس فرض نمازوں کو ادا کرنے کا حکم دینا مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ اطاعت اور تعلق ان کی اولین ترجیح ہونی چاہیے اور دیگر تمام چیزوں کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کے جائز مقام پر رکھنا چاہیے۔ یہ بنی نوع انسان کا اصل مقصد ہے۔ ان کا مقصد اس مادی دنیا کی غیر ضروری اور فضول چیزوں کے لیے کوشش کرنا نہیں ہے۔ یہ مادی دنیا ایک پل ہے جو انسان کو آخرت سے جوڑتا ہے۔ یہ کوئی مستقل گھر نہیں ہے۔ فرض نمازیں

اور یہ عظیم واقعہ مسلمانوں کو اس حقیقت کی یاد دلاتا ہے۔ لہٰذا انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق اس پل کو عبور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ آخرت تک محفوظ رہ سکیں۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ اس دنیا میں ایک پرامن سفر ہے اور اگلے میں ایک پرامن مستقل گھر ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

" جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

ہجرت

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ ہے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مکہ شہر سے مدینہ شہر کی طرف ہجرت۔ باب 9 توبہ آیت 40:

" اگر تم اس کی]یعنی رسول اللہ)صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کی [مدد نہ کرو گے تو - اللہ پہلے ہی اس کی مدد کر چکا ہے جب کہ کافروں نے انہیں دو میں سے ایک کی طرح]مکہ سے [نکال دیا تھا، جب وہ غار میں تھے۔ اور آپ)صلی اللہ علیہ وسلم (نے اپنے ساتھی سے فرمایا کہ غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور سپاہیوں کے ذریعے اس کی مدد فرمائی جسے تم نے نہیں دیکھا۔''

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے ان مشکلات پر قابو پانے کا مطالبہ نہیں کرتا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے برداشت کیں۔ مثال کے طور پر اس آیت میں مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا ذکر ہے جس میں انہوں نے اپنے گھر والوں، گھر بار، کاروبار کو پیچھے چھوڑ دیا اور ایک اجنبی سرزمین کی طرف ہجرت کی جو سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے۔

اس کے مقابلے میں مسلمانوں کو اس وقت جن مشکلات کا سامنا ہے وہ اتنی مشکل نہیں ہیں جتنی کہ صالح پیشروؤں کو درپیش تھیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان سے صرف چند چھوٹی قربانیاں کرنے کی ضرورت ہے، جیسے فرض فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے کچھ نیند کی قربانی اور فرض صدقہ کرنے کے لیے کچھ مال۔ اللہ تعالیٰ ان کو یہ حکم نہیں دے رہا ہے کہ وہ اپنے گھر اور اہل و عیال کو اس کی خاطر چھوڑ دیں۔ اس شکر کو عملی طور پر ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے ظاہر کیا جانا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ جب کسی مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ان مشکلات کو یاد رکھنا چاہیے جو نیک پیشروؤں کو پیش آئیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی سے ان پر کیسے قابو پایا، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔ یہ نصیحت ایک مسلمان کو اپنی مشکلات پر قابو پانے کی طاقت فراہم کر سکتی ہے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ صالح پیش رو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب تھے، پھر بھی انہوں نے صبر کے ساتھ زیادہ سخت مشکلات کو برداشت کیا۔ درحقیقت سنن ابن ماجہ نمبر 4023 میں موجود ایک حدیث اس بات کی نصیحت کرتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے سخت ترین امتحانات کو برداشت کیا اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

اگر کوئی مسلمان نیک پیشروؤں کے ثابت قدمی پر عمل کرتا ہے تو امید ہے کہ وہ آخرت میں ان کے ساتھ ہو گا۔ باب 4 النساء آیت 69:

" اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انبیاء، ثابت قدمی کرنے والے، شہداء اور صالحین کا فضل کیا ہے۔

خندق

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ ہے خندق کی جنگ۔ یہ ایک مشہور معرکہ ہے جو اس وقت پیش آیا جب غیر مسلموں نے اسلام کی روشنی کو بجھانے کے لیے مدینہ منورہ کو گھیر لیا۔ باب 33 الاحزاب، آیت 22:

" اور جب مومنوں نے ان جماعتوں کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا۔ "اور اس نے ان کے ایمان اور قبولیت میں اضافہ کیا۔

سیکھنے کے لیے ایک اہم سبق یہ ہے کہ جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اسی طرح ان کے بعد کے مسلمانوں کو بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ مشکلات اللہ تعالیٰ کے سچے بندوں کو ان لوگوں سے تقسیم کرتی ہیں جو اس کی اطاعت میں کوشش نہیں کرتے، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق سامنا کرنا شامل ہے۔ اس پر ہو لہٰذا اس دنیا میں مشکلات کا سامنا کرنا کسی مسلمان کو کبھی حیران نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ اس دنیا کا معمول ہے۔ درحقیقت یہی اس دنیا کا مقصد ہے۔ باب 67 الملک، آیت 2:

" وہ [جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے..."

ایک مسلمان کا فرض یہ نہیں ہے کہ وہ ان ضامن مشکلات پر دباؤ ڈالے بلکہ اس کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا تھا، یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت

قدم رہنا۔ کہ جس طرح مشکلات کی ضمانت دی گئی ہے، اسی طرح حتمی فتح بھی یقینی ہے۔ اس فتح کی واحد شرط اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

’’اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔‘‘

درحقیقت ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح ثابت قدم رہنے والوں کے لیے حتمی فتح کی ضمانت دی گئی ہے، اسی طرح اچھے یا برے ہر حال میں برکت حاصل کرنا ہے۔ خاص طور پر، مشکل کے وقت صبر اور آسانی کے وقت شکر گزار رہنا، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

ان ضمانتوں کو یاد رکھنے سے نہ صرف مشکلات کا اندازہ لگانے اور ذہنی طور پر تیاری کرنے میں مدد ملتی ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہتا ہے، یہ جاننا کہ دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں کامیابی صرف اسی میں ہے۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہے، جس کی طرف باب 3 علی، آیت 144 میں اشارہ کیا گیا ہے:

" محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول نہیں ہیں۔ اس سے پہلے]دوسرے [رسول گزر چکے ہیں۔ پس اگر وہ مر جائے یا مارا جائے تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھرے گا وہ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی بنی نوع انسان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف رہنمائی کے لیے وقف کر دی۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر ثابت قدم رہے۔ تمام مسلمان آخرت میں اس کی صحبت کی خواہش رکھتے ہیں لیکن وہ اسے صرف اس صورت میں حاصل کریں گے جب وہ عملی طور پر اس کے راستے پر چلیں۔ ایک شخص اپنے دوست کے ساتھ نہیں جائے گا جس نے ایک مخصوص راستے پر سفر کیا ہے اگر وہ اسی راستے پر سفر نہیں کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور راستے پر چلیں تو وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ختم نہیں ہوں گے۔ یہ صرف قرآن اور اس کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ، عام طور پر، لوگ خوش ہو جاتے ہیں جب وہ دنیاوی چیزیں، جیسے دوسروں سے مال و دولت کے وارث ہوتے ہیں۔ لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے لیے وراثت کے لیے مال نہیں چھوڑا۔ آپ نے بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح علم کو پیچھے چھوڑ دیا۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 223 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر مسلمان اس کے حقیقی وارث بننا چاہتے ہیں تو انہیں اس وراثت میں سے حصہ لینا چاہیے۔

آخر میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اس بات کی بہترین مثال ہے کہ کس طرح ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے لیے اپنے فرائض ادا کرنے چاہئیں۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا‘‘۔

اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان کی زندگی کا مطالعہ کریں اور ان کی تعلیمات پر عمل کریں تاکہ وہ اپنے فرائض کو صحیح طریقے سے ادا کریں۔ اس کے بغیر کامیابی ممکن نہیں۔ باب 33 الاحزاب، آیت 21:

’’یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے‘‘۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ صحیح بخاری نمبر 3667 اور 3668 میں موجود احادیث میں مذکور ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منتخب کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسلام کے پہلے خلیفہ کے طور پر۔

اس عظیم واقعہ سے سیکھنے کے لیے ایک اہم سبق یہ ہے کہ بھلائی کے معاملات میں دوسروں کا ساتھ دینے کی اہمیت ہے۔ اس اور دیگر احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ وہ کسی اور کو اپنا خلیفہ منتخب کریں۔ درحقیقت اس نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا نام بھی رکھا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بہترین موقع تھا کہ وہ بغیر کسی دلیل اور پریشانی کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے نمائندے کے طور پر اہم کردار ادا کریں۔ لیکن اس نے صحیح کام کرنے کا انتخاب کیا اور اس کردار کے لیے بہترین شخص کو مقرر کرکے مسلم قوم کی مدد کی۔ اسے اس بات کی فکر نہیں تھی کہ اگر اس نے کسی اور کا ساتھ دیا تو اس کا درجہ اور سماجی حیثیت گھٹ جائے گی یا اسے بھلا دیا جائے گا۔ درحقیقت، اس کی عزت اور سماجی حیثیت اس صحیح انتخاب کے بعد ہی بڑھی۔

بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اور یہاں تک کہ اسلامی ادارے بھی اس طرح کا برتاؤ نہیں کرتے۔ وہ اکثر صرف ان لوگوں کی حمایت کرتے ہیں جن کے ساتھ ان کا رشتہ ہے، بجائے اس کے کہ کوئی اچھا کام کرنے والے کی مدد کریں۔ وہ ایسا برتاؤ کرتے ہیں کہ اگر وہ اچھی باتوں میں دوسروں کا ساتھ دیں گے تو ان کی سماجی حیثیت کم ہو جائے گی۔ کچھ اس سے بھی نیچے گر گئے ہیں اور برے کاموں میں اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کا ساتھ دیتے ہیں اور اچھے کام کرنے والے اجنبیوں کا ساتھ دینے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ ایک بڑی وجہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ کمزور ہوتا چلا گیا ہے ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تعداد میں تھوڑے تھے لیکن کسی اور چیز کی پرواہ کیے بغیر ہمیشہ بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کا ساتھ دے کر اپنا فرض ادا کیا۔ مسلمانوں کو اپنا رویہ بدلنا چاہیے اور ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے اگر وہ دونوں جہانوں میں طاقت اور عزت چاہتے ہیں۔ کون کر رہا ہے اس کے بجائے دوسرے کیا کر رہے ہیں اس کا مشاہدہ کرنا چاہیے۔ اگر وہ اچھے کام کر رہے ہیں تو ان کی وسعت کے مطابق ان کی مدد کرنی چاہیے لیکن اگر وہ کوئی برا کام کر رہے ہیں تو انہیں اس سے خبردار کرنا چاہیے

اور اس میں شامل ہونے سے انکار کرنا چاہیے۔ سربلند درحقیقت، دوسروں کے ساتھ وفاداری کی جڑ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہونی چاہیے، خواہ وہ کسی کے ساتھ معاملہ کر رہے ہوں۔ باب المائدۃ، آیت 2 5:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

ثابت قدم خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ صحیح بخاری نمبر 7284 اور 7285 میں موجود احادیث میں مذکور ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب اسلام کے پہلے سیدھے سیدھے خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعلیمات پر ثابت قدم رہے۔ اسلام اگرچہ بہت سے مسلمان جھوٹے انبیاء کی پیروی کرتے ہوئے کفر کی طرف پلٹ گئے اور دوسروں نے واجب صدقہ دینے سے انکار کر دیا، جو صحیح مسلم نمبر 111 میں موجود حدیث کے مطابق ایمان کا ایک ستون ہے۔

یہ ثابت قدمی کا رویہ اسلام کا ایک اہم پہلو ہے جسے مسلمانوں کو اپنانا چاہیے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دنیاوی امور کے لیے کسی بھی فرض پر سمجھوتہ نہ کریں کیونکہ یہ چیزیں آخرکار ان کے لیے تناؤ اور بوجھ کا باعث بن جائیں گی اگر وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں تو آخرت میں ان کے لیے عذاب الٰہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ باب 20 طٰہٰ، آیت 124:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

کسی مسلمان کو یہ یقین کرنے میں بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہئے کہ اگر وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں ناکام رہے تو وہ کسی نہ کسی طرح اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور عذاب سے نکلنے کا راستہ تلاش کر لیں گے۔ محض کسی کی نافرمانی اور قیامت کی حقیقت کو نظر انداز کرنے سے وہ دور نہیں ہوگا۔ جب کسی نے اسلام کو اپنا عقیدہ قبول کیا اور مسلمان ہو گیا تو اس میں اسلام کے ساتھ فرائض کی ادائیگی کی ذمہ داری قبول کرنا بھی شامل ہے۔ ایک شخص جو ملازمت کو قبول کرتا ہے، تعریف کے مطابق اس کے ساتھ آنے والے فرائض کو قبول کرتا ہے۔ اگر وہ محض اپنی ذمہ داریاں نبھانے سے انکار کرتے ہیں تو بلاشبہ انہیں برطرف کردیا جائے گا۔ اسی طرح جو شخص اسلام کو اپنا دین ماننے کے بعد اپنے فرائض کی ادائیگی سے انکار کرتا ہے وہ دونوں جہانوں میں عذاب اور مشکلات میں گھرا ہو سکتا ہے۔

درحقیقت واجبات بہت زیادہ نہیں ہیں اور اس میں زیادہ وقت یا محنت کی ضرورت نہیں ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح کر دیا ہے کہ وہ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

لہٰذا جو بھی فرض کسی شخص پر واجب ہو وہ ان کے ذریعے ادا کیا جا سکتا ہے۔ یہ صرف ان کی انتہائی سستی اور ناقص فیصلہ ہے جو انہیں ایسا کرنے سے روکتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے رویے کو بدلیں اور اپنے فرائض حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ادا کریں، قبل اس کے کہ وہ کسی عظیم دن پر سخت عذاب سے دوچار ہوں۔

خلیفہ کی قربانی - عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ ہے اسلام کے تیسرے خلیفہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا صبر اور قربانی۔

یہ عظیم واقعہ مسلمانوں میں بڑے پیمانے پر جانا جاتا ہے۔ لیکن خلاصہ یہ ہے کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے صبر کیا اور ان لوگوں کا خون بہانے سے گریز کیا جنہوں نے ان کے موقف کو غلط طور پر چیلنج کیا۔ وہ ان کی مزاحمت کو آسانی سے کچل سکتا تھا لیکن اس نے صبر کرنے کا انتخاب کیا کیونکہ وہ انہیں نقصان پہنچانا اور مسلم قوم کے اندر فتنہ کی آگ کو مزید پھیلانا نہیں چاہتا تھا۔ یہی صبر اور ایثار ان کی شہادت کا باعث بنا۔ یہ واقعہ بہت سی احادیث میں مذکور ہے، جیسا کہ جامع ترمذی، نمبر 3803 میں ہے۔

اسلام مسلمانوں سے ایسی قربانی کا مطالبہ نہیں کرتا ہے لیکن یہ انہیں چھوٹی قربانیوں کی تلقین کرتا ہے، جیسے کہ فرض صدقہ کرنے کے بعد رضاکارانہ صدقہ دینا یا رات کی نفلی نماز ادا کرنے کے لیے کچھ نیند کی قربانی کرنا۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جب کوئی یہ قربانی کرتا ہے تو اس سے دنیا اور آخرت میں فائدہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ معلوم ہو کہ ان کا نقصان ہو رہا ہے اور دوسروں کو فائدہ ہو رہا ہے، جیسے صدقہ دینا۔ اللہ تعالیٰ اس مسلمان کو ہمیشہ نوازتا ہے جو اس کی رضا کے لیے قربانی کرتا ہے جو اس کی قربانی سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ بات بہت سی آیات، احادیث اور واقعات سے ثابت ہے۔ جو مسلمان ان قربانیوں سے انکار کرتا ہے وہ کبھی یہ خصوصی نعمتیں حاصل نہیں کر سکے گا اور نہ ہی اعلیٰ مقام پر پہنچ سکے گا۔ اگر کسی کو دنیاوی چیزیں قربانی کے بغیر حاصل نہیں ہوتیں تو وہ قربانی کے بغیر دائمی دینی نعمتوں کے حاصل کرنے کی امید کیسے رکھ سکتے ہیں؟ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے قربانی کرنے سے ہی مزید برکات حاصل کر سکیں گے اور ان صالح پیشروؤں کو یاد رکھیں جنہوں نے ایسا ہی کیا تھا تاکہ وہ بھی ان کے نقش قدم پر چلیں۔ سادہ لفظوں میں، جتنا زیادہ قربانی کرے گا، اتنا ہی زیادہ ملے گا اور جتنا کم قربانی کرے گا، اتنا ہی کم ملے گا۔ پس یہ ہر مسلمان پر منحصر ہے کہ وہ زیادہ نعمتوں کا خواہاں ہے یا کم۔ باب 16 النحل، آیت 97:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ " "زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

باغی

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی اس کا تذکرہ بہت سی احادیث میں کیا گیا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 6934 میں موجود ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب باغیوں نے اسلام کے چوتھے صحیح ہدایت یافتہ خلیفہ علی ابن ابو طالب کی قیادت کو چیلنج کیا تھا۔ اللہ اس سے راضی ہو۔ یہ حدیث بھی بہت سی دوسری چیزوں کی طرح اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ باغی اکثر اللہ تعالیٰ کے بندے تھے لیکن جس چیز کی وجہ سے وہ اسلام کی حقیقی تعلیمات سے منحرف ہوئے وہ ان کی جہالت تھی۔ انہوں نے احمقانہ طور پر عبادت کو اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے زیادہ اہمیت دی۔ ان کی جہالت کی وجہ سے وہ اسلام کی تعلیمات کی غلط تشریح کر رہے تھے جس کی وجہ سے ان کے کبیرہ گناہ ہوئے۔ اگر ان کے پاس صحیح علم ہوتا تو ایسا نہ ہوتا۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ علم کس طرح گناہوں کو روک سکتا ہے، خاص طور پر دوسروں کی طرف، جیسے گھریلو زیادتی۔ ایک شخص صرف اس وقت دوسروں پر ظلم کرنے سے گریز کرتا ہے جب وہ اپنے اعمال کے نتائج سے ڈرتا ہو، یعنی دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جوابدہ اور سزا پانے کا۔ لیکن اپنے اعمال کے نتائج کے خوف کی بنیاد اور جڑ علم ہے۔ علم کے بغیر انسان اپنے اعمال کے نتائج سے کبھی نہیں ڈرتا۔ اس سے ان کی جہالت انہیں گناہوں اور دوسروں پر ظلم کرنے کی ترغیب دے گی۔

اگر معاشرہ لوگوں کے خلاف گھریلو زیادتیوں اور دیگر جرائم کے واقعات کو کم کرنا چاہتا ہے تو اسے علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کو ترجیح دینی چاہیے کیونکہ صرف عبادت ہی ایسا ہونے کا سبب نہیں بنے گی، جس طرح اس نے باغیوں کو اسلام سے منحرف ہونے سے نہیں روکا۔ جس سے معصوم لوگوں کو شدید تکلیف پہنچتی ہے۔ باب 35 فاطر، آیت 28:

”اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں“۔

صحیح راہنمائی کرنے والا خلیفہ

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ خلیفہ حق حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا رویہ ہے۔ وہ عظیم صحابی اور خلیفہ ثانی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی نہیں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پیروکار تھے، یعنی ان کی ملاقات بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہوئی۔ ان کی خلافت بڑے پیمانے پر بدعنوانی کے دور میں واقع ہوئی، جس کی جزوی وجہ ان سے پہلے کے خلفاء کی وجہ سے تھی جو صحیح طور پر ہدایت یافتہ نہیں تھے۔ اگر چہ وہ کم و بیش اکیلے ہی امت مسلمہ کی خراب حالت کی اصلاح کے لیے کوشاں تھے، اس نے کبھی ہمت نہیں ہاری اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے۔ اس نے اپنے اختیارات اور اثر و رسوخ کا غلط استعمال نہیں کیا جیسا کہ اس سے پہلے کے بعض خلفاء نے کیا تھا۔ اس کے بجائے، اس نے صحیح رہنمائی کرنے والے خلفائے راشدین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسلام کو زندہ کرنے کے لیے اپنی طاقت کا استعمال کیا۔

مسلمانوں کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ اس معاشرے میں چاہے وہ کتنا ہی تنہائی محسوس کریں جو کہ بدعنوانی کا شکار ہو چکا ہو، انہیں اسلامی تعلیمات سے انحراف کے لیے اس کو بہانہ نہیں بنانا چاہیے۔ اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے نیک پیشواؤں کے نقش قدم پر چلنا چاہیے، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ ، السلام علیکم یہ حقیقت کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ صحابی نہیں تھے اور فساد میں گھرے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے، اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ان مسلمانوں کے لیے ممکن ہے جو اپنے آپ کو اس میں پاتے ہیں۔ اسی طرح کی پوزیشن .اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں دوسروں کا شریک ہونا، جب یہ عام ہو جائے تو قابل قبول عذر نہیں ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے قبول نہیں کرے گا۔ اگر مسلمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہیں اور ان کے پاس جو بھی نعمتیں اور اثر ہیں ان کا صحیح استعمال کریں تو انہیں بھی عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی طرح کامیابی نصیب ہوگی۔ درحقیقت اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو اس قدر نوازا کہ آپ کا نام تاریخ میں عظیم صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کے ساتھ درج کر دیا گیا، حالانکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی نہیں تھے۔ اس پر جو مسلمان عملی طور پر ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں وہ بلاشبہ آخرت میں ان کے ساتھ ہوں گے۔ باب 4 النساء آیت 69:

اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انبیاء، "
ثابت قدمی کرنے والے، شہداء اور صالحین کا فضل کیا ہے۔

مسلمانوں کا اثر و رسوخ

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی سنن ابوداؤد نمبر 4297 میں موجود ایک حدیث میں مذکور ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متنبہ کیا کہ جلد ہی ایک دن آنے والا ہے جب دوسری قومیں مسلمان قوم پر حملہ کریں گی۔ اگرچہ وہ تعداد میں بہت زیادہ ہوں گے تو دنیا ان کو معمولی سمجھے گی۔ اللہ تعالیٰ دوسری قوموں کے دلوں سے مسلمانوں کا خوف نکال دے گا۔ یہ مسلم اقوام کی مادی دنیا سے محبت اور موت سے نفرت کی وجہ سے ہو گی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو تعداد میں کم تھے، پوری قوموں پر غالب آئے، جب کہ آج مسلمان تعداد میں زیادہ ہیں لیکن دنیا میں ان کا سماجی یا سیاسی اثر و رسوخ نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگی اسلام کی تعلیمات کے مطابق بسر کی اور ان نعمتوں کو ان طریقوں سے استعمال کیا جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن مجید اور مقدس روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ جبکہ آج اکثر مسلمانوں نے اس کے برعکس سوچ اختیار کر رکھی ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تمام گناہوں کی جڑ مادی دنیا کی محبت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو بھی گناہ کیا جاتا ہے وہ اس کی محبت اور خواہش سے کیا جاتا ہے۔ مادی دنیا کو چار پہلوؤں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :شہرت، قسمت، اختیار اور کسی کی سماجی زندگی، جیسے ان کے رشتہ دار اور دوست۔ یہ ان چیزوں کے زیادہ حصول میں ہے جو گناہوں کی طرف لے جاتے ہیں، جیسے کہ قسمت کی محبت میں ناجائز دولت کمانا۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ دولت اور اختیار کی محبت ایمان کے لیے اس تباہی سے زیادہ تباہ کن ہے کہ اگر دو بھوکے بھیڑیوں کو بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑ دیا جائے۔ جب بھی لوگ مادی دنیا کے ان پہلوؤں سے زیادتی کی کوشش کرتے ہیں تو یہ ہمیشہ عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث بنتا ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت دور ہوجاتی ہے جس سے دونوں جہانوں میں مصیبت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ باب 20 طہٰ، آیت 124:

" اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

اگرچہ، بعض مسلمانوں کا خیال ہے کہ مادی دنیا کی غیر ضروری لیکن حلال چیزوں کی پیروی کرنا بے ضرر ہے، لیکن یہ وہ چیز ہے جس کے خلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی احادیث میں تنبیہ کی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری، نمبر 3158 میں موجود ہے۔ انہوں نے خبردار کیا کہ وہ مسلمانوں کے لیے غربت سے نہیں ڈرتے۔ اسے جس چیز کا اندیشہ تھا وہ یہ تھا کہ مسلمان اس مادی دنیا کی آسائشوں کے پیچھے لگ جائیں گے، جیسے کہ دولت سے زیادہ، اور اس کی وجہ سے وہ اس پر ایک دوسرے سے مقابلہ کریں گے اور یہ ان کی تباہی کا باعث بنے گا۔ جیسا کہ اس حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ ماضی کی قوموں کا یہی رویہ تھا۔

چونکہ مادی دنیا محدود ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ اگر لوگ اپنی ضروریات سے زیادہ چاہیں تو اس میں مقابلہ کرنا پڑے گا۔ یہ مقابلہ انہیں ان خصوصیات کو اپنانے پر مجبور کرے گا جو ایک سچے مسلمان کے کردار سے متصادم ہوں، جیسے کہ دوسروں کے لیے حسد اور دشمنی۔ وہ ایک دوسرے کی دیکھ بھال کرنا چھوڑ دیں گے، کیونکہ وہ مادی دنیا کو جمع کرنے اور جمع کرنے میں مقابلہ کرنے میں بہت مصروف ہیں۔ اور وہ صحیح بخاری نمبر 6011 میں موجود ایک حدیث میں دی گئی نصیحت کی نصیحت کریں گے جس میں مسلمانوں کو ایک جسم کی طرح عمل کرنا چاہیے۔ جب جسم کا کوئی حصہ بیماری کا شکار ہوتا ہے تو جسم کا باقی حصہ درد میں شریک ہوتا ہے۔ یہ مقابلہ ایک مسلمان کو دوسروں کے لیے وہی پسند کرنا چھوڑ دے گا جو وہ اپنے لیے پسند کرتے ہیں، جو کہ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود ایک حدیث کے مطابق ایک سچے مومن کی خصوصیت ہے، کیونکہ وہ دنیاوی چیزوں میں اپنے ساتھی مسلمانوں پر سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔ اس مقابلے پر قائم رہنا ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے بجائے مادی دنیا کی خاطر محبت، نفرت، دینے اور سب کچھ روکنے کا سبب بنے گا، جو کہ سنن میں موجود حدیث کے مطابق ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ ابوداؤد، نمبر 4681۔ یہ مقابلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آج کے بہت سے مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہے۔

اگر مسلمان اسلام کو دوبارہ حاصل کرنے اور اس پر اثر انداز ہونے کی خواہش رکھتے ہیں، تو انہیں ان نعمتوں کو استعمال کرنے پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس پر درود ہو۔ یہ انفرادی سطح سے ہونا ضروری ہے جب تک کہ یہ پوری قوم کو متاثر نہ کرے اور آخرکار یہ دونوں جہانوں میں ذہنی اور جسمانی سکون کا باعث بنے گا۔ باب النحل، آیت 97 16:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ " "زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

آزمائشوں سے نمٹنا

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی بہت سی احادیث میں مذکور ہے جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 7375 میں موجود ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سنن ابن ماجہ نمبر 4077 میں موجود ایک حدیث میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے مسیح مخالف کی آزمائش کو سب سے بڑی آزمائش کے طور پر بیان کیا ہے جو مسلمانوں کو زمین پر اپنی زندگی کے دوران پیش آئے گی۔ اس لیے مسلمانوں کو مستقبل کے اس واقعے سے کچھ اہم سبق سیکھنا چاہیے۔ پہلا مضبوط ایمان رکھنے کی اہمیت ہے۔ کمزور ایمان والے ہی اس سے گمراہ ہوں گے۔ مضبوط ایمان انتہائی ضروری ہے کیونکہ یہ ہر آزمائش یا مشکل کے خلاف ایک ہتھیار ہے جس کا سامنا زندگی کے دوران ہوتا ہے۔ پختہ ایمان رکھنے والا ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہر مشکل کو ثواب اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی سے دور کرتا ہے کیونکہ وہ اس طرز عمل کو سمجھتے ہیں جس کا انہیں ہر حال میں مظاہرہ کرنا چاہیے۔ جبکہ کمزور عقیدہ رکھنے والے اپنی زندگی میں جن آزمائشوں اور آزمائشوں کا سامنا کرتے ہیں ان سے آسانی سے گمراہ ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے دور ہو جاتے ہیں، جس طرح کمزور ایمان والے لوگ مخالف مسیح سے گمراہ ہو جائیں گے۔
باب 22 الحج، آیت 11:

" اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں مبتلا ہو جائے تو وہ منہ پھیر لیتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔''

مضبوط ایمان حاصل کرنے کا بہترین طریقہ اسلامی علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ اس سے ایک مسلمان آزمائشوں اور آزمائشوں کی وجوہات اور حکمتوں کو سمجھ سکے گا۔ اس کے نتیجے میں وہ صبر کے ساتھ ان پر کامیابی سے قابو پا سکیں گے۔ صبر میں کسی کی بات یا عمل سے شکایت کرنے سے پرہیز کرنا اور اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو برقرار رکھنا شامل

ہے۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اس کو خوش کرنے کے طریقے سے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔

اس عظیم واقعہ سے سیکھنے کی دوسری چیز مشکوک چیزوں سے بچنے کی اہمیت ہے۔ جس طرح ایک شخص جو سرحد کے قریب سے سفر کرتا ہے اس کے اس کو عبور کرنے کا زیادہ امکان ہوتا ہے اسی طرح ایک مسلمان جو فتنوں میں گھرا ہوا ہے اس کے گمراہ ہونے کا زیادہ امکان ہے۔ جو ان جگہوں اور چیزوں سے بچتا ہے جو اسے گناہوں کی طرف مائل کرتی ہیں وہ اس کے ایمان اور عزت کی حفاظت کرے گا۔ یہ نصیحت جامع ترمذی نمبر 1205 میں موجود ایک حدیث میں دی گئی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان چیزوں، مقامات اور لوگوں سے اجتناب کرتے ہوئے اپنے ایمان کی حفاظت کریں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے ہیں یا فتنہ میں ڈالتے ہیں اور اپنے کفیلوں کو یقینی بناتے ہیں۔ جیسا کہ ان کے بچے بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔

اندھی تقلید

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ صحیح مسلم نمبر 375 میں موجود ایک حدیث میں مذکور ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متنبہ کیا ہے کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ روئے زمین پر مسلمان باقی نہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ پر۔

یہ عظیم واقعہ اس بات کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اسلام کو محض زبان سے قبول کیے بغیر اس کی حمایت کیے بغیر :اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا شامل ہے۔ جو صرف نام کے مسلمان ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو نہ پکارتے ہیں اور نہ ہی اس پر بھروسہ کرتے ہیں جیسا کہ اس کی اطاعت کرنے والے کرتے ہیں۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4049 میں ختم زمانہ سے متعلق ایک اور حدیث یہاں تک کہ اسلام قبول کرنے میں دوسروں کی اندھی تقلید نہ کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ کسی کے اہل خانہ، بغیر اسلامی علم حاصل کیے اور اس پر عمل کیے، تاکہ انسان اندھی تقلید سے آگے نکل جائے اور اللہ کی اطاعت کرے۔ اعلیٰ، اپنی ربّیت اور ان کی اپنی بندگی کو صحیح معنوں میں پہچانتے ہوئے یہ دراصل بنی نوع انسان کا مقصد ہے۔ باب 51 ذریات، آیت 56:

‘‘اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔’’

کوئی ایسے شخص کی عبادت کیسے کر سکتا ہے جسے وہ پہچانتا بھی نہیں؟ اندھی تقلید بچوں کے لیے قابل قبول ہے لیکن بڑوں کو چاہیے کہ وہ علم کے ذریعے اپنی تخلیق کے مقصد کو صحیح معنوں میں سمجھ کر صالح پیشروؤں کے نقش قدم پر چلیں۔ جہالت ہی یہی وجہ ہے کہ جو مسلمان اپنے فرائض کی ادائیگی کرتے ہیں وہ آج بھی اللہ تعالیٰ سے قطع تعلق محسوس کرتے ہیں۔ یہ پہچان ایک مسلمان کو دن بھر اللہ کے سچے بندے کے طور پر برتاؤ کرنے میں مدد دیتی ہے، نہ کہ صرف پانچ وقت کی فرض نمازوں کے دوران۔ اس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے دماغ اور جسم دونوں جہانوں میں سکون ملتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

" جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔ "

اس کے ذریعے ہی مسلمان اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی کو پورا کریں گے۔ اور یہی وہ ہتھیار ہے جو مسلمانوں کو اپنی زندگی میں پیش آنے والی تمام مشکلات پر قابو پاتا ہے۔ اگر ان کے پاس یہ نہیں ہے تو انہیں اجر حاصل کیے بغیر مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ درحقیقت یہ دونوں جہانوں میں مزید مشکلات کا باعث بنے گا۔ اندھی تقلید کے ذریعے فرائض کی ادائیگی سے فرض تو پورا ہو سکتا ہے لیکن یہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کے قرب تک پہنچنے کے لیے ہر مشکل میں محفوظ طریقے سے رہنمائی نہیں کرے گا۔ درحقیقت، زیادہ تر صورتوں میں، اندھی تقلید آخرکار اپنے واجبات کو ترک کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ مسلمان صرف مشکل کے وقت اپنی ذمہ داریاں ادا کرے گا اور آسانی کے وقت ان سے منہ موڑے گا یا اس کے برعکس۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے یہ سمجھنا چاہیے کہ اسلام میں اندھی تقلید ناقابل قبول ہے، کیونکہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ واضح دلائل کے ذریعے اسلام کی حقانیت کو پہچانے اور اپنی تخلیق کے مقصد کو جان لے، تاکہ وہ اسے ہر لمحہ اور سانس کے دوران پورا کر سکے۔ اندھی تقلید انسان کو مسلمان تو بنا سکتی ہے لیکن ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہے گی اور اس کے نتیجے میں وہ اس دنیا میں ذہنی اور جسمانی سکون حاصل نہیں کر سکے گا۔ باب 20 طٰہٰ، آیت 124:

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا، یقیناً اس کی زندگی تنگدستی سے گزرے گی۔"

اور باب 12 یوسف، آیت 108:

کہو، "یہ میرا راستہ ہے۔ میں بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں اور میری پیروی کرنے والے..."

بڑھاپا

:اگلا عظیم واقعہ جس پر بات کی جائے گی وہ بڑھاپا ہے۔ باب 30 اروم، آیت 54

" اللہ وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری سے پیدا کیا، پھر کمزوری کے بعد طاقت بنایا، پھر طاقت کے بعد کمزوری اور سفید بال بنائے۔"

یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کا تجربہ ہر وہ شخص کرے گا جو کافی عرصے تک زندہ رہتا ہے۔ اس سے گریز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ آیت اور دیگر تعلیمات انسان کی جسمانی اور ذہنی طاقت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ وقت کو استعمال کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتی ہیں۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان ان چیزوں کو کھونے کے بعد ہی ان کی تعریف کرتے ہیں۔ صحیح بخاری نمبر 6412 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر جو مسلمان بڑھاپے کو پہنچ جاتے ہیں وہ اکثر مساجد میں رہنے کا فیصلہ کرتے ہیں حالانکہ ان میں مسجد سے مکمل استفادہ کرنے کی طاقت نہیں ہوتی، جیسے کہ سیکھنا اور عمل کرنا۔ اسلام کی تعلیمات پر وہ اکثر دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ سیکھنے اور بہتر کے لیے تبدیل کرنے کے لیے بہت بوڑھے ہیں۔ اور اس طرز عمل کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کے کئی عشرے مادی دنیا میں مشغول کر کے اگر بڑھاپے میں مساجد میں آباد ہو جائیں تب بھی ان کے دل و دماغ مادی دنیا میں بھٹک رہے ہیں، جیسا کہ ان کے پاس بس یہی ہے۔ کبھی معلوم .یہ ان لوگوں کے لیے بالکل واضح ہے جو باقاعدگی سے مساجد میں آتے ہیں۔

اس کے علاوہ، اس بات کی کوئی گارنٹی نہیں ہے کہ کوئی شخص بڑھاپے کو پہنچ جائے گا، اس لیے کسی شخص کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ وہ اپنی متوقع عمر کو پہنچ جائے گا۔ اس کے بجائے انہیں چاہیے کہ ہر وہ لمحہ جو انہیں عطا کیا گیا ہے اس طرح سے استعمال کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں اچھی دنیاوی اور روحانی کامیابی حاصل کر سکیں۔ ورنہ ان کو اس دنیا میں سکون نہیں ملے گا کیونکہ وہ ان نعمتوں کو صحیح طریقے سے

استعمال کرنے میں ناکام رہے ہیں اور قیامت کے دن ان کے پاس سوائے ندامت کے کچھ نہیں بچے گا کیونکہ ان کی دنیاوی کامیابی اسی دنیا سے چلی گئی۔

اسلام کسی کو اپنی جوانی میں مادی دنیا کو ترک کرنے کا درس نہیں دیتا بلکہ مسلمانوں کو یہ نصیحت کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو باقی سب پر ترجیح دیں کیونکہ یہی دونوں جہانوں میں ذہنی اور جسمانی سکون کا باعث بنتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

اس لیے اپنی جوانی کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا چاہیے اس سے پہلے کہ وہ ایسے وقت میں پہنچ جائیں جب وہ جوانی کے ساتھ آنے والی نعمتوں سے محروم ہو جائیں۔ جو اپنی جوانی کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے اسے وہی اجر ملے گا جب وہ بڑھاپے کو پہنچ جائیں گے، چاہے وہ اب وہ نیک اعمال نہ کر سکیں جو پہلے کرتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث المفرد نمبر 500 میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن جو اپنی جوانی کو فضول باتوں میں ضائع کرتا ہے، اس کے لیے صرف ندامت ہی باقی رہے گی جب وہ بڑھاپے کو پہنچ جائے۔

والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو دنیا میں کامیابی کی طرف دھکیلنے اور انہیں روحانی کامیابی حاصل کرنے کی ترغیب دینے میں تاخیر کے عام رویہ کو ایک طرف رکھیں۔ جو بچہ اپنی زیادہ تر کوششیں دنیا کے لیے وقف کرنے کا عادی ہو جاتا ہے وہ بڑے ہونے پر جادوئی طور پر اپنا رویہ نہیں بدلے گا۔ یہ دونوں جہانوں میں والدین اور بچوں کے لیے ایک بڑا بوجھ بنتا ہے۔ بدقسمتی سے، بہت سے والدین اس نکتے کو سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں۔

موت

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ ایک ایسی چیز ہے جس کا تجربہ ہر مخلوق کو ہوگا یعنی موت۔ باب 3 علی عمران، آیت 185:

" ہر جان نے موت کا مزہ چکھنا ہے، اور تمہیں تمہارا پورا پورا بدلہ قیامت کے دن دیا جائے گا۔ پس جس کو آگ سے دور کر دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا اس نے]اپنی خواہش [کو حاصل کرلیا۔ اور دنیا کی زندگی دھوکے کے مزے کے سوا کیا ہے۔

موت ایک ایسی چیز ہے جس کا آنا یقینی ہے لیکن وقت معلوم نہیں، لہٰذا یہ سمجھ میں آتا ہے کہ آخرت پر یقین رکھنے والا مسلمان اس کی تیاری کو ان چیزوں کی تیاری پر ترجیح دیتا ہے جو شاید نہ ہو، جیسے شادی، اولاد یا ان کی ریٹائرمنٹ۔ یہ عجیب بات ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اس کے برعکس ذہنیت اختیار کر لی ہے حالانکہ وہ گواہی دیتے ہیں کہ دنیا عارضی اور غیر یقینی ہے اور آخرت دائمی ہے اور ان کا اس تک پہنچنا یقینی ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کوئی کس طرح کا برتاؤ کرے ان کے اعمال کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔ کسی مسلمان کو یہ یقین کرنے میں دھوکہ نہیں دیا جانا چاہئے کہ وہ مستقبل میں آخرت کی تیاری کر سکتے ہیں اور کر سکتے ہیں کیونکہ یہ رویہ انہیں اس وقت تک مزید تاخیر کا باعث بنتا ہے جب تک کہ ان کی موت واقع نہ ہو جائے اور وہ اس ندامت کے ساتھ اس دنیا سے چلے جاتے ہیں جو ان کی مدد نہیں کرے گی۔

لہٰذا اہم بات یہ نہیں ہے کہ لوگ مر جائیں گے، کیونکہ یہ ناگزیر ہے، لیکن اہم بات یہ ہے کہ اس طرح سے کام کریں کہ اس کے لئے مکمل طور پر تیار ہو .اس کے لیے صحیح طریقے سے تیاری کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات پر عمل کیا جائے یعنی اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لایا جائے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کیا جائے۔ اس پر اس سے وہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں

سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں۔ یہ تبھی ممکن ہے جب کوئی شخص آخرت کی تیاری کو ان چیزوں کی تیاری پر ترجیح دے جو شاید نہ ہو سکیں۔

ایک مسلمان کو اس حقیقت سے بے وقوف نہیں ہونا چاہئے کہ اس دنیا میں اکثر دوسرے مواقع ملتے ہیں اور اس رویہ کو موت پر لاگو کرتے ہیں۔ موت آنے پر کوئی دوسرا موقع یا تاخیر نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اگر وہ موت اور آخرت سے غافل زندگی گزاریں گے تو اسی حالت میں مریں گے اور اگر غفلت کی حالت میں مریں گے تو اسی حالت میں دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ اس شخص کو قیامت کے دن وہ کامیابی ملنے کا امکان نہیں ہے۔ صحیح مسلم نمبر 7232 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

قبر

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ ہے جب کوئی شخص اپنی قبر میں داخل ہوتا ہے۔
باب 20 طہٰ، آیت 55:

اسی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے ایک بار پھر تمہیں نکالیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی آیات اور احادیث اس مرحلے پر بحث کرتی ہیں جس کا سامنا تمام لوگوں کو کسی نہ کسی شکل میں کرنا پڑے گا۔ جیسا کہ یہ ناگزیر ہے، مسلمانوں کو اس کے لیے تیاری کرنی چاہیے، کیونکہ قبر کی روشنی یا اندھیرا قبر سے ہی نہیں آتا۔ یہ اس کے اعمال ہیں جو یا تو اس کی قبر کو تاریک یا روشن کر دیتے ہیں۔ اسی طرح یہ اس کا عمل ہے جو اس بات کا تعین کرے گا کہ اسے قبر میں عذاب یا رحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے لیے تیاری کا واحد طریقہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ ہے۔ اس پر یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرے گا جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو راضی ہوں۔

مسلمان اکثر اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو دفنانے کے لیے قبرستانوں کا سفر کرتے ہیں۔ لیکن بہت کم لوگوں کو یہ احساس ہوتا ہے کہ ایک دن، جلد یا بدیر، ان کی باری آئے گی۔ حالانکہ مسلمانوں کی اکثریت اپنی کوششوں کی اکثریت اپنے اہل و عیال کو خوش کرنے اور دولت کمانے کے لیے صرف اعمال صالحہ کے ذریعے وقف کر دیتی ہے، جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود ایک حدیث متنبہ کرتی ہے کہ یہ دو چیزیں جو مسلمان دیتے ہیں۔ ان کو ان کی قبر پر چھوڑ دیں گے اور ان کے ساتھ صرف ان کے اعمال باقی رہیں گے۔ اس لیے ایک مسلمان کے لیے یہ بات درست ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کی خوشنودی کے لیے اعمال صالحہ کو ترجیح

دے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی اپنے خاندان اور مال کو چھوڑ دے۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کے لیے اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنی ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے اپنے فرائض میں غفلت برتتے ہوئے صرف اور صرف دنیوی چیزیں حاصل کریں، جیسا کہ مال، اس کے حصول کے لیے انہیں درکار ہے۔ جب یہ صحیح طریقے سے کیا جائے تو یہ بھی ایک نیک عمل بن جاتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 4006 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ دنیاوی چیزوں مثلاً اپنے اہل و عیال یا مال کی خاطر اللہ تعالیٰ کے ذمہ اپنے فرائض کو کبھی ترک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس سے وہ نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا۔ انہیں عطا کیا گیا ہے .یہ بدلے میں ایک الگ تھلگ، تنہا اور تاریک قبر کی طرف لے جائے گا۔

ترہی

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ صور پھونکا ہے جو قیامت سے پہلے پیش آئے گا۔ صور پھونکا مخلوق کی موت کا باعث بنے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 7381 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ جاننے کی اہم بات یہ ہے کہ یہ ایک ایسی اذان ہے جس کا جواب نہ کوئی دے سکتا ہے اور نہ ہی رد کرے گا۔ یہ قیامت اور آخری فیصلے کی طرف لے جائے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پکار پر لبیک کہنے کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے، اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتے ہوئے خلوص نیت سے اطاعت کریں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق۔ اس سے وہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں گے جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتے ہیں۔ باب 8 انفال، آیت 24:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ اور رسول کی بات مانو جب وہ تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشتی ہے۔"

جو بھی اس دنیا میں اس پکار کا جواب دے گا، اسے آخری پکار برداشت کرنا اور اس کا جواب دینا آسان ہوگا۔ جبکہ جو شخص اس دنیا میں اللہ عزوجل کی پکار سے غافل زندگی گزارتا ہے وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے جو ان کی عطا کی گئی ہیں، اسے اس میں سکون نہیں ملے گا اور وہ صور کی پکار پر لبیک کہنے پر مجبور ہو جائے گا۔ ان کے لیے ایک بہت بڑا بوجھ برداشت کرنا اور جواب دینا۔ ایک شخص صرف اتنی دیر تک اللہ تعالیٰ کی پکار کو نظر انداز کر سکتا ہے، جب تک کہ آخری بلا جلد یا بدیر واقع ہو گی، اور کوئی بھی اس سے بچنے یا نظر انداز نہیں کر سکے گا۔ اگر یہ ناگزیر ہے، تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کوئی شخص غفلت میں رہنے کے بجائے، آج، اس کا جواب دے۔ اگر کوئی غافل ہو کر صور پھونکنے کی آواز سنتا ہے تو کوئی عمل یا پشیمانی اس کو فائدہ نہیں دے گی اور اس شخص کے بعد جو کچھ آئے گا وہ اس سے بھی زیادہ خوفناک ہوگا۔

قیامت کے دن رشتہ دار

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی اس کا تذکرہ باب 80 اباسہ، آیات 34-37 میں کیا گیا ہے:

”جس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا۔ اور اس کی ماں اور اس کا باپ۔ اور اس کی بیوی اور اس کے بچے۔ ہر آدمی کے لیے وہ دن اس کے لیے کافی ہو گا۔“

یہ وہ وقت ہے جب ہر شخص قیامت کے دن اپنے رشتہ داروں سے اپنی بھلائی کی فکر میں بھاگے گا۔ مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اسلام انہیں اپنے رشتہ داروں کو چھوڑنے کی نصیحت نہیں کرتا، کیونکہ رشتہ داری کو برقرار رکھنا اسلام کا ایک انتہائی اہم پہلو ہے۔ لیکن یہ ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ہر ایک کو ان کی صحیح جگہ پر رکھیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ فرائض پر سمجھوتہ کیے بغیر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ روایات کی پیروی کیے بغیر، مطلب کی حد سے تجاوز کیے بغیر دوسروں کے حقوق ادا کریں۔ بدقسمتی سے، کچھ بہت دور چلے جاتے ہیں اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ غلط محبت اور وفاداری کی وجہ سے ان اہم فرائض کو ترک کر دیتے ہیں۔ اس کی وجہ سے وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں جو انہیں دی گئی ہیں۔ بعض تو اپنے رشتہ داروں کی خوشنودی کی خاطر ناجائز رزق حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور گناہ بھی کرتے ہیں۔ یہ عظیم واقعہ واضح طور پر ایسا کرنے کے منفی پہلو کو ظاہر کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ دوسروں کی مدد کرے، خاص کر اپنے رشتہ داروں کی اچھی باتوں میں لیکن کبھی بھی برے کاموں میں ان کا ساتھ نہ دے، خواہ ان کے ساتھ ان کا رشتہ کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو، کیونکہ مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں اگر یہ اللہ کی نافرمانی کا باعث ہو۔ اعلیٰ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

”اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو“۔

اس کے علاوہ، یہ عظیم واقعہ ان لوگوں کے درمیان پیش آئے گا جو، زیادہ تر معاملات میں، ایک شخص اپنے دوستوں کے ساتھ گہرا تعلق شیئر کرتے ہیں۔ پس اگر قیامت کے دن رشتہ داروں کا یہ انجام ہے تو کیا دوستوں کے انجام کا تصور کیا جا سکتا ہے؟ باب 25 الفرقان، آیت 28:

اوہ، مجھ پر افسوس !کاش میں نے اسے دوست نہ بنایا ہوتا۔"

اس دنیا یا آخرت میں لوگ ایک دوسرے کو صحیح معنوں میں فائدہ پہنچانے کا واحد راستہ یہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ترجیح دیں، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات سب سے بڑھ کر اور اس آخری مقصد میں ایک دوسرے کی مدد کریں۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

"اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے، سوائے نیک لوگوں کے"

سایہ

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ ہے جب قیامت کے دن سورج کو تخلیق کے دو میل کے فاصلے پر لایا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 2864 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

اس سے لوگوں کو ان اعمال کے مطابق پسینہ آئے گا جو انہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران کیے تھے۔ بعض کا پسینہ ان کے ٹخنوں تک، بعض کا گھٹنوں تک اور بعض کا منہ تک پہنچے گا۔

کسی کو صرف اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ شدید گرمی کے موسم کا شکار ہوئے اور کس طرح گرمی نے قیامت کی گرمی کی تعریف کرنے کے لئے ان کے رویے اور طرز عمل کو متاثر کیا۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سخت محنت اور خلوص نیت سے کوشش کرتے ہیں، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن راحت ملے گی۔ لیکن جن لوگوں نے ان نعمتوں کو جو انہیں عطا کی گئی ہیں ان کو باطل اور گناہ کے طریقوں سے استعمال کیا قیامت کے دن ان پر بہت زیادہ دباؤ ڈالا جائے گا۔ سادہ لفظوں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوشش کرنے والا یہاں آرام کرے گا لیکن یہاں آرام کرنے والا وہاں مشکل میں پڑے گا۔ باب 56 الواقعہ، آیات 88-89:

"...اور اگر وہ]میت [مقربوں میں سے تھا تو]اس کے لیے [آرام ہے"

جس طرح لوگ اس مادی دنیا میں سخت محنت کرتے ہیں تاکہ وہ آرام دہ زندگی حاصل کریں اور آرام سے ریٹائرمنٹ بھی حاصل کریں، حالانکہ ریٹائرمنٹ کی اس عمر تک پہنچنا یقینی نہیں ہے، مسلمانوں کو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے اس سے بھی زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ ان کی زندگی کے پہلوؤں کو، تاکہ وہ اس دنیا میں امن اور سکون حاصل کریں اور اس دن جس کا واقع ہونا یقینی ہے۔ باب 16 النحل، آیت 97:

"جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی دیں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔"

ایک ایسے دن کے لیے کوشش کرنا بڑی جہالت کی نشانی ہے جو کبھی نہ پہنچ سکے یعنی ریٹائرمنٹ کا دن، اور اس دن کے لیے کوشش نہ کرنا جس تک پہنچنے اور تجربہ کرنے کی ضمانت دی گئی ہو، یعنی یومِ حشر۔

شفاعت

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ قیامت کے دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4308 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ وہ پہلا شخص ہے جس کی شفاعت ہوگی اور وہ پہلا شخص ہے جس کی شفاعت قیامت کے دن اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ دن

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے لائق بنانے کی کوشش کرے، ان اعمال کو انجام دے جن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، مثلاً اذان سن کر اس کے لیے دعا کرنا۔ سنن نسائی نمبر 679 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ گھر میں پڑھنے کے بجائے باقاعدگی سے مسجد میں پڑھے۔ سب سے بڑا عمل جو شفاعت کا باعث بنے گا وہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اس فرض سے انکار کر کے غفلت میں نہ رہے اور پھر قیامت کے دن شفاعت کی امید رکھے، کیونکہ یہ خواہش مندانہ سوچ کے زیادہ قریب ہے، جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے سچی امید کے مقابلے میں قابل ملامت ہے اور اس کی کوئی قیمت نہیں۔

بدقسمتی سے بعض مسلمان جنہوں نے اس خواہش مندانہ سوچ کو اختیار کیا ہے وہ اس شفاعت کے ذریعے جنت حاصل کرنے کی امید رکھتے ہیں حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتے، اس کے احکام کی تعمیل کرتے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے اور تقدیر کا مقابلہ مقدس روایات کے مطابق صبر سے کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان مسلمانوں کو یہ جان لینا چاہیے کہ اگرچہ شفاعت ایک حقیقت ہے، لیکن بعض مسلمان جن کی شفاعت سے ان کی سزا میں تخفیف ہو جائے گی، وہ پھر بھی جہنم میں داخل ہوں گے۔ جہنم میں ایک لمحہ بھی واقعی ناقابل برداشت ہے۔ لہٰذا انسان کو خواہش مندانہ سوچ کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں عملی طور پر کوشش کرتے ہوئے حقیقی امید کو اپنانا چاہیے اور ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں ان کو پسند کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ جو مسلمان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر قائم رہے اور یہ گمان کرے کہ وہ اس شفاعت سے نجات پا جائیں گے، انہیں اس حقیقت کو قبول کرنا چاہیے کہ ان کی نافرمانی اور تمسخرانہ رویہ کی وجہ سے وہ اپنے ایمان کے ساتھ اس دنیا سے رخصت بھی نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا اس مسلمان کو قیامت کے دن اس شفاعت کو حاصل کرنے سے زیادہ مسلمان کی حیثیت سے مرنے کی فکر ہونی چاہیے جو صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص ہے۔

ترازو

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ ہے جب ایک شخص کے اعمال۔ اچھے اور برے، ان کے آخری فیصلے کے لیے قیامت کے ترازو میں رکھے جائیں گے۔ اس عظیم واقعہ کا پورے قرآن پاک اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بحث کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر، باب 101 القاری، آیات 6 تا 9:

’’ پھر وہ جس کا پلڑا بھاری ہے۔ وہ خوشگوار زندگی گزارے گا۔ لیکن جس کے پلڑے ہلکے ہوں۔ اس کی پناہ گاہ ایک پاتال ہو گی۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے اعمال کا باقاعدگی سے جائزہ لیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان سے بہتر نہیں جانتا۔ جب کوئی ایمانداری سے اپنے اعمال کا خود فیصلہ کرتا ہے تو یہ انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے اور اعمال صالحہ کرنے کی ترغیب دینے کی ترغیب دے گا، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں۔ لیکن جو اپنے اعمال کا باقاعدگی سے جائزہ لینے میں ناکام رہے گا، وہ غافل زندگی گزارے گا اور وہ ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو انہیں دی گئی ہیں۔ یہ شخص قیامت کے دن اپنے اعمال کا تولنا بہت مشکل پائے گا۔ درحقیقت، یہ انہیں جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔

ایک ہوشیار کاروباری مالک ہمیشہ اپنے کھاتوں کا باقاعدگی سے جائزہ لے گا۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ ان کا کاروبار صحیح سمت میں ہے اور اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ تمام ضروری کاغذی کارروائی کو درست طریقے سے مکمل کریں، جیسے کہ ٹیکس ریٹرن۔ لیکن بیوقوف کاروباری مالک باقاعدگی سے اپنے کاروبار کا حساب نہیں لے گا۔ یہ منافع میں نقصان اور ان کے کھاتوں کی صحیح طریقے سے تیاری میں ناکامی کا باعث بنے گا۔ جو لوگ اپنے اکاؤنٹس کو صحیح طریقے سے حکومت کے پاس جمع کرانے میں ناکام رہتے ہیں انہیں جرمانے کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو ان کی زندگی کو مزید مشکل بنا دیتا ہے۔ لیکن نوٹ کرنے کی اہم بات یہ

ہے کہ قیامت کے ترازو کے لیے کسی کے اعمال کا درست اندازہ لگانے اور اسے تیار کرنے میں ناکامی کی سزا میں مالی جرمانہ شامل نہیں ہے۔ اس کی سزا زیادہ سخت اور واقعی ناقابل برداشت ہے۔ باب 99 زلزال، آیات 7-8:

"پس جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جو کوئی ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔

آخر میں، ایک مسلمان کو نہ صرف گناہوں کے ارتکاب سے بچنا چاہئے بلکہ انہیں ان نعمتوں کو استعمال کرنے سے بھی بچنے کی کوشش کرنی چاہئے جو انہیں دی گئی ہیں فضول طریقوں سے۔ فضول کام گناہ نہیں ہو سکتے لیکن جیسا کہ وہ اعمال صالحہ نہیں ہیں اس لیے وہ قیامت کے دن پشیمانی کا باعث بنیں گے، خاص طور پر جب کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے جو فضول کام کیے ہیں اگر وہ استعمال کرتے تو وہ قیامت کے ترازو کے اچھے پہلو پر رکھ سکتے تھے۔ برکات صحیح طریقے سے بعض صورتوں میں، ترازو کے دونوں اطراف کے درمیان تھوڑا سا فرق نجات اور لعنت کے درمیان فرق ہوسکتا ہے۔

بہانے

:اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی اس کا ذکر باب 14 ابراہیم، آیت 22 میں ہے

اور شیطان کہے گا جب بات پوری ہو جائے گی، بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا، اور میں نے تم سے وعدہ کیا تھا، لیکن میں نے تم سے خیانت کی، لیکن میرا تم پر کوئی اختیار نہیں تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں دعوت دی اور تم نے قبول کیا۔ مجھ پر الزام نہ لگائیں بلکہ خود کو قصوروار ٹھہرائیں۔

یہ وہ وقت ہے جب قیامت کے دن لوگ اپنے گناہوں کا الزام شیطان پر ڈالنے کی کوشش کریں گے تاکہ اپنے عذاب کا بوجھ اس پر منتقل کر سکیں۔ لیکن یہ آیت واضح کرتی ہے کہ یہ ایک فضول اور احمقانہ عذر ہے، جیسا کہ شیطان صرف لوگوں کو گناہوں پر اکساتا ہے، وہ جسمانی طور پر کسی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر مجبور نہیں کر سکتا۔ ہر شخص اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری یا نافرمانی کا انتخاب کرتا ہے، ان نعمتوں کو صحیح یا غلط استعمال کرتے ہوئے جو اسے عطا کیا گیا ہے، اور اس لیے اسے اپنی پسند کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بدقسمتی سے، کچھ لوگ اس اہم نکتے کو نہیں سمجھتے۔ وہ اکثر گناہ کرتے ہیں اور یا تو یہ اعلان کر کے دوسروں پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ اس طرح کے کام کرنے کے قائل ہیں یا وہ اعلان کرتے ہیں کہ جیسے دوسرے لوگ کھلم کھلا گناہ کر رہے ہیں یہ کسی نہ کسی طرح انہیں اسی طرح عمل کرنے کا لائسنس دیتا ہے۔ اسی طرح دنیاوی عدالت میں ایک جج ان عذروں کو کبھی قبول نہیں کرے گا اور نہ ہی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان عذروں کو قبول کرے گا۔ مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ثقافت یا فیشن کو اپنے طرز عمل کا معیار نہ بنائیں، کیونکہ اس سے وہ گمراہ ہوں گے اور قیامت کے دن ان کے پاس کوئی معقول عذر باقی نہیں رہے گا۔ اس کے بجائے، انہیں اسلام کی ان تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے جو صرف اس بات کا خاکہ پیش کرتی ہے کہ انسان کو تمام حالات میں کس طرح کا برتاؤ کرنا چاہیے۔ اب وقت آگیا ہے کہ مسلمان بچگانہ بہانوں کو ترک کریں اور خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کریں، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو انہیں اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ اس دن تک پہنچ جائیں جب اللہ تعالیٰ ان کے عذر کو قبول نہ کرے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ شیطان پر الزام لگانے والوں کے عذر کو رد کر دے گا جب کہ

وہ ان کا کھلا دشمن ہے اور انہیں گمراہ کرنے کا وعدہ کر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نافرمانی کا کوئی اور عذر کیسے قبول کرے گا؟

آسمانی تالاب

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ یہ ہے کہ جب مسلمان قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیے گئے آسمانی تالاب میں پہنچ کر پیتے ہیں۔ آسمانی حوض کے بارے میں بہت سی احادیث موجود ہیں، جیسے کہ صحیح بخاری نمبر 6579 میں موجود ہے۔ اس میں مشورہ دیا گیا ہے کہ اس کی پوری لمبائی کو عبور کرنے میں ایک مہینہ لگتا ہے، اس کی بو خوشبو سے زیادہ اچھی ہے، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور جو اس میں سے ایک بار پی لے اسے پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ آخری نکتہ انتہائی اہم ہے، کیونکہ قیامت کے دن لوگوں کو شدید اور ناقابل تصور پیاس لگے گی۔ مثال کے طور پر سورج کو تخلیق کے دو میل کے فاصلے پر لایا جائے گا جس کی وجہ سے لوگوں کو بہت زیادہ پسینہ آئے گا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2421 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلمان اس تالاب سے پینا چاہتا ہے، خواہ اس کا ایمان کتنا ہی مضبوط ہو۔ لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو صرف اس کے حصول کی امید کرنے کے بجائے خود کو اس سے پینے کے لائق بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا چاہیے، خاص طور پر ان اعمال سے جو آسمانی تالاب تک پہنچنے سے روکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، صحیح مسلم، نمبر 5996 میں پائی جانے والی ایک حدیث میں خبردار کیا گیا ہے کہ کچھ مسلمان جنہوں نے اسلام میں بدعتیں ایجاد کیں، انہیں حراست میں لے لیا جائے گا اور آسمانی تالاب تک پہنچنے سے روک دیا جائے گا۔ سنن نسائی نمبر 4212 میں موجود ایک اور حدیث متنبہ کرتی ہے کہ جو لوگ ظالم حکمرانوں کے جھوٹ اور غلط کاموں کی حمایت اور یقین کرتے ہیں وہ آسمانی تالاب تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ لہٰذا ان مسلمانوں کے لیے جو آسمانی تالاب تک پہنچنے اور پینے کی خواہش رکھتے ہیں ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں اور اس کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔

پل

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ یہ ہے کہ جب لوگوں کو حکم دیا جائے گا کہ وہ پل کو عبور کریں جو قیامت کے دن جہنم کے اوپر رکھا جائے گا۔ اسلامی تعلیمات میں اس پر بہت زیادہ بحث کی گئی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 6573 میں موجود حدیث ہے۔ اس میں خبردار کیا گیا ہے کہ پل پر بہت بڑے کانٹے ہوں گے جو لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق متاثر کریں گے۔ بعض کو ان کے ذریعہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا، بعض کو پل صراط سے گزرنے سے پہلے بڑی اذیتیں دی جائیں گی، بعض کو ان کی طرف سے معمولی سی چوٹ ہی پہنچے گی اور آخر کار صالحین کو ان سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ صحیح مسلم کی ایک اور حدیث نمبر 455 میں متنبہ کیا گیا ہے کہ پل صراط بالوں سے تنگ اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔

اس سے سیکھنے کی اہم بات یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کے مطابق پل کو عبور کرے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ اگر وہ پل کو بحفاظت عبور کرنا چاہتے ہیں تو وہ کسی بھی فرائض میں کوتاہی نہ کریں۔ انہیں چاہیے کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو ان کو عطا کی گئی ہیں ان کو اس کی خوشنودی کے ساتھ استعمال کرتے ہوئے خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے، جیسا کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ کسی کو اس کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے اور صرف امید رکھنا چاہئے کہ وہ جادوئی طور پر بغیر کسی اثر کے پل کو عبور کریں گے۔

اس کے علاوہ انسان جس آسانی سے اس پل کو عبور کرے گا وہ اس بات کا آئینہ دار ہو گا کہ وہ اس دنیا میں اسلام کے صراط مستقیم پر کس قدر ثابت قدم رہے۔ یہ سیدھا راستہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کا راستہ ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

”کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا“۔

جو بھی اس راستے کو چھوڑ دے گا وہ اس پل کو کامیابی سے عبور نہیں کر سکے گا۔ سیدھے الفاظ میں، اس دنیا میں جتنا زیادہ انسان صراط مستقیم پر ثابت قدم رہے گا، قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو سیکھ کر اس پر عمل کرے گا، اتنا ہی آسانی سے وہ جہنم کے پل کو عبور کر لے گا۔ روز محشر .اس دنیا میں سیدھا راستہ واضح کر دیا گیا ہے، اس لیے لوگوں کے پاس کوئی بہانہ باقی نہیں رہا۔

جہنم

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ ہے جب قیامت کے دن ناکام ہونے والے لوگوں کو جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جہنم کے مشہور پہلوؤں پر بحث کرتی ہیں اس لیے یہاں ان پر بحث نہیں کی جائے گی۔ لیکن یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو جہنم میں جائے گا، اس آگ کو لے لیتا ہے، جس کا سامنا وہ جہنم میں کرے گا، اپنے گناہوں کی صورت میں اس دنیا سے اس کے ساتھ جب کوئی مسلمان اس حقیقت کو اپنے ذہن میں نقش کر لے گا تو وہ ہر گناہ بڑے یا چھوٹے کو ناقابل برداشت آگ کے ٹکڑے کی طرح دیکھے گا۔ جس طرح انسان دنیا میں آگ سے بچتا ہے اسے گناہوں سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ پوشیدہ آگ ہے جو اسے آخرت میں دکھائی جائے گی۔

مزید برآں، ایک مسلمان کو غافل نہیں رہنا چاہیے اور اس بات پر یقین رکھنا چاہیے کہ وہ اس زبانی تائید کے بغیر محض اللہ تعالیٰ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ اعمال کے ساتھ اعلان .اگر یہ سچ ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اتنی محنت نہ کرتے اور وہ بلاشبہ اسلام اور یوم آخرت کو اپنے بعد کے لوگوں سے بہتر سمجھتے تھے۔ سیدھے الفاظ میں، عمل کے بغیر محبت کا اعلان کسی کو جہنم سے نہیں بچا سکتا۔ درحقیقت یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ بعض مسلمان قیامت کے دن جہنم میں داخل ہوں گے۔ جو مسلمان اللہ عزوجل کی مخلصانہ اطاعت کو ترک کرتا ہے، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ کو اس کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کیا گیا ہے، اسے سمجھنا چاہیے۔ ان کا یہ رویہ ان کی موت سے پہلے اپنے ایمان کو کھونے کا سبب بن سکتا ہے تاکہ وہ قیامت کے دن ایک غیر مسلم کے طور پر داخل ہوں، جو کہ سب سے بڑا نقصان ہے۔

جس طرح کوئی جنگ میں بغیر زرہ اور ڈھال کے داخل نہیں ہوتا، اسی طرح ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے زرہ اور ڈھال کے بغیر قیامت میں داخل نہیں ہونا چاہیے۔ بصورت دیگر، جس طرح اس سپاہی کو زیادہ نقصان پہنچے گا جس کے پاس کوئی حفاظت نہیں ہے، اسی طرح ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بغیر تحفظ کے دن قیامت تک پہنچے گا۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ مادی دنیا کی آسائشوں اور لذتوں سے وہ لطف اندوز ہوتے ہیں اگر

وہ جہنم میں ختم ہو جائیں تو انہیں بہتر محسوس نہیں ہوگا۔ درحقیقت، یہ صرف انہیں بدتر محسوس کرے گا.

جنت

اگلا عظیم واقعہ جس پر بحث کی جائے گی وہ ہے جب اللہ تعالیٰ کے نیک بندے قیامت کے دن جنت میں داخل ہوں گے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جنت میں صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے داخل ہوگا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 5673 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر عمل صالح صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ممکن ہے، علم، الہام، قوت اور عمل کرنے کے موقع کی صورت میں۔ یہ فہم انسان کو غرور اختیار کرنے سے روکتی ہے جس سے بچنا ضروری ہے، کیونکہ انسان کو جہنم میں لے جانے کے لیے صرف ایک ایٹم کی قدر کی ضرورت ہوتی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 267 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

مزید برآں، ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت، اعمال صالحہ کی صورت میں، درحقیقت ایک نور ہے جسے دنیا میں جمع کرنا ضروری ہے، اگر وہ آخرت میں رہنمائی کا نور حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان غفلت میں زندگی بسر کرتا ہے اور اس نور کو دنیا میں جمع کرنے سے گریز کرتا ہے اور ان نعمتوں کو استعمال کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں بیان کی گئی ہیں۔ اس پر ہو، پھر آخرت میں وہ اس ہدایت کی روشنی کی امید کیسے رکھ سکتے ہیں؟

تمام مسلمانوں کی خواہش ہے کہ وہ جنت میں اللہ کے سب سے بڑے بندوں جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں۔ لیکن یہ سمجھنا ضروری ہے کہ بغیر عمل کے محض اس کی خواہش کرنے سے یہ حقیقت نہیں ہو گی، ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسا کرتے۔ سیدھے الفاظ میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کی جتنی زیادہ کوشش کرے گا ، آخرت میں اس کے اتنے ہی قریب ہوں گے۔ اگر کوئی دوسرا راستہ چنتا ہے جو اس دنیا میں ہے تو پھر آخرت میں اس کے ساتھ کیسے ہو سکتا ہے؟

مزید برآں، اسلامی تعلیمات یہ واضح کرتی ہیں کہ جن لوگوں نے اپنے عقیدے کے زبانی اعلان عمل کے ساتھ حمایت کی انہیں جنت دی جائے گی۔ لہذا کسی کو دوسری صورت میں یقین کرنے

میں کبھی بھی دھوکہ نہیں دینا چاہئے۔ جو شخص ان کے زبانی اعلان ایمان کی عملی تائید نہیں کرتا اسے اس بات کی زیادہ فکر کرنی چاہیے کہ وہ اپنے ایمان کے بغیر اس دنیا سے چلے جائیں کیونکہ ایمان ایک پودے کی مانند ہے جس کی پرورش عمل سے ہونی چاہیے ورنہ وہ مر جائے گا۔ باب 16 النحل، آیت 32:

جن کو فرشتے نیک اور پاکیزہ موت میں لے جاتے ہیں،]فرشتے [کہیں گے :تم پر سلامتی ہو۔ " جنت میں داخل ہو جاؤ ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے۔"

جنت کی سب سے بڑی نعمت جسمانی طور پر اللہ عزوجل کا مشاہدہ کرنا ہے جس کا ذکر صحیح بخاری کی حدیث نمبر 7436 میں موجود ہے۔ اگر کوئی مسلمان اس ناقابل تصور نعمت کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے عملی طور پر اس درجہ فضیلت کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جو حدیث میں مذکور ہے۔ صحیح مسلم، نمبر 99 میں پایا جاتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص نماز جیسے اعمال انجام دیتا ہے، گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتا ہے، ان کو نظر انداز کر رہا ہے۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کی مستقل اور مخلصانہ اطاعت کو یقینی بناتا ہے۔ امید ہے کہ ایمان کے اس درجے کے لیے کوشش کرنے والے کو آخرت میں جسمانی طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی سعادت حاصل ہوگی۔

اچھے کردار پر 400 سے زیادہ مفت ای بکس

400 سے زیادہ مفت ای بکس: https://shaykhpod.com/books/
eBooks/AudioBooks کے لیے بیک اپ سائٹ:
https://archive.org/details/@shaykhpod

شیخ پوڈ ای بکس کے براہ راست پی ڈی ایف لنکس:
https://spebooks1.files.wordpress.com/2024/05/shaykhpod-books-direct-pdf-links-v2.pdf

https://archive.org/download/shaykh-pod-books-direct-pdf-links/ShaykhPod%20Books%20Direct%20PDF%20Links%20V2.pdf

دیگر شیخ پوڈ میڈیا

آڈیو بکس: https://shaykhpod.com/books/#audio
روزانہ بلاگز: https://shaykhpod.com/blogs/
تصویریں: https://shaykhpod.com/pics/
جنرل پوڈکاسٹ: https://shaykhpod.com/general-podcasts/
PodWoman: https://shaykhpod.com/podwoman/
PodKid: https://shaykhpod.com/podkid /
اردو پوڈکاسٹ: https://shaykhpod.com/urdu-podcasts/
لائیو پوڈکاسٹ: https://shaykhpod.com/live/

ڈیلی بلاگز، ای بکس، تصویروں اور پوڈکاسٹوں کے لیے گمنام طور پر واٹس ایپ چینل کو فالو کریں:
https://whatsapp.com/channel/0029VaDDhdwJ93wYa8dgJY1t

ای میل کے ذریعے روزانہ بلاگز اور اپ ڈیٹس حاصل کرنے کے لیے سبسکرائب کریں:
http://shaykhpod.com/subscribe

Achieve Noble Character